Islam aur Firqawariyat

اسلام اور فرقہ واریت

ایک تحقیقی جائزہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْ

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین

ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

مصنف: محمد عبدالغفار

باغ مہتاب سرینگر کشمیر

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہے سب کا نبیؐ، دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آبرو باقی تری ملّت کی جمعیت سے تھی

جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

علامہ اقبالؒ

پیش لفظ

ملت اسلامیہ کو اس بات کی تشویش ہے کہ اسلام میں فرقہ واریت کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے اور ہر فرقہ کے لوگ اپنی جگہ صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ فرقہ واریت اسلام میں حرام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام سے مخاطب ہوکر علی الاعلان فرمادیا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود لوگ دین میں فرقہ بندی کررہے ہیں اور دین کی خدمت گزاری کا دعویٰ کرکے دین کو نقصان پہنچارہے ہیں۔

ایک طرف مسلمانوں میں یہ حدیث گشت کررہی ہے کہ مسلمان تہتر(۷۳) فرقوں میں بٹ جائیں گے جن

میں بہتر(۷۲) فرقے گمراہ ہوں گے اور ایک فرقہ راہ راست پر ہوگا ہر ایک فرقہ راہ راست کے فرقہ سے اپنی وابستگی کا دعویٰ کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام دشمنی میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور مغربی تعلیم و تہذیب سے متاثرہ لوگ دین چھوڑ کر سوشلزم اور کمیونزم جیسی لادین تحریکوں میں شمولیت اختیار کررہے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ فرقوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے انہیں صحیح دین کی شناخت میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ ان حالات کےپیش نظر اسلام میں فرقہ واریت کے مضمون پر تبصرہ کیا گیا اور اس مختصر تبصرہ میں کسی فرقہ، گروہ یا جماعت کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ یہ تبصرہ خالصتاً امت مسلمہ کے لئے اتحاد و اتفاق کاپیغام ہے۔ اللہ سے دعا ہے: اے اللہ دین لی خدمت کی اس ادنیٰ سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ آمین۔

محمد عبدالغفار

پرنسپل جامع العلوم کنی پورہ سرینگر

عصر حاضر کے مسلمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئی بھی ذی شعور شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ موجودہ دور کا انسان دولت کی ہوس اور پیٹ پوجا میں مشغول ہے یہ دور مادی دور کہلاتا ہے جس میں انسانیت اور انسانی ہمدردی ختم ہوچکی ہے اور اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل چکا ہے۔ سماج میں وہ لوگ قابل احترام سمجھے جاتے ہیں جو زیادہ مال و دولت اور جاہ و حشم رکھتے ہیں۔ غریب اور پس ماندہ لوگ پاؤں تلے روندے جارہے ہیں۔ مادی ترقی کے عشق میں لوگ اپنی غیرت کو داؤ پر لگاتے ہیں۔ نفس پرستی اور شہوت رانی لوگوں کا دین بن چکا ہے۔ امت مسلمہ بھی دنیا کی اس روز افزوں مادی ترقی، نام نہاد تہذیب اور انسانی ہمدردی کا دعویٰ کرنے والوں سے پیچھے نہیں۔ مادی ترقی کے عشق میں مبتلا ہو کر اس امت نے بھی اپنے آپ کو داؤ پر لگانے میں گریز نہیں کیا مگر یہ امت محنت و ذہانت، ڈسپلن (disciplin) اور دیانت داری میں ان کی تقلید نہ کر سکی اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ تو یہ مادی اعتبار سے ترقی کر سکی اور نہ دینی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے اسلام کی نمائندگی اور علمبرداری کا حق ادا کر سکی بلکہ دنیا کے مادہ پرست ترقی یافتہ اقوام انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح جدھر چاہتے ہانک کر لے جاتے ہیں اور یہ امت انحطاط اور ذلت کی شکار ہوچکی ہے اور عملاً اس کی اکثریت یا تو اسلام سے بیزار ہوچکی ہے یا بددلی اور بے اعتباری کا اظہار کررہی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کہیں دکھائی نہیں دیتا ہے جسے نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کیا تھا۔ امت کا حال یہ ہے کہ ؎ ''مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب'' یعنی مسلمان مرچکے ہیں اسلام کتابوں میں رہ گیا ہے۔ اس زوال، ذلت اور پستی کی وجوہات یہ ہیں کہ مسلمان دنیا سے بے پناہ محبت کرنے لگے اور انہوں نے آخرت کو فراموش کیا اور اس سے بڑھ کر ان کے زوال کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو مختلف فرقوں میں بانٹ دیا اور ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو ہی صحیح اور حق پرست سمجھتا ہے اور دوسرے کو گمراہ قرار دیتا ہے اور اس حدیث کو نظرانداز کرتا ہے جس میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: خَیرُکُم مَنْ تَعَلَّمَ القُرآن وَ عَلَّمَہٗ یعنی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا یعنی جو لوگ قرآن پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اس کا ترجمہ اور تفسیر سیکھتے اور سکھاتے ہیں یا لکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور صاحب فضیلت ہیں کیونکہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ اور ہدایت کا ذریعہ صرف قرآن مجید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال تک قرآن مجید کی تعلیم دی جو آپؐ پر وقتاً فوقتاً نازل ہوا اور اس کی رہنمائی سے اسلامی نظام کی تشکیل فرمادی

یہاں تک کہ نزول قرآن کی تکمیل ہوئی اور صاحب قرآن مکمل نظام زندگی اور اللہ رب العالمین کی بندگی کا طریقہ قائم کرکے اپنے رب سے جاملے۔

قرآن مسلمانوں کا آئین

قرآن مجید ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس کا مرتبہ اور مقام بہت بلند ہے ۔یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اوریہ اسلامی نظام حیات کا دستور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کو آخری رسول پر نازل کرکے قیامت تک مشعل راہ بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ (ترمذی، ابو داوٗد) یعنی قیامت کے دن قرآن کا عالم فرماں بردار بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ عالم قرآن قیامت کے دن اللہ کے خاص مقربین میں شامل ہوگا۔

لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب قرآن مجید کو چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو مغربی تہذیب اور ان کے وضع کردہ قانون کے حوالے کردیا اور اپنے عقائد اور اخلاق کی بنیاد ان کی تصنیف کردہ کتابوں پر رکھ دی اور جو لوگ مغربی تہذیب کی یلغار سے بچ گئے ان میں سے ایک بڑی تعداد بے علم پیروں اور فقیروں کی اندھی تقلید میں ملوس ہوگئی۔ انہوں نے بزرگوں کی قبروں پر خانقاہیں اور زیارت گاہیں بنوائیں اور قبروں میں مدفون لوگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر شرک کی لعنت میں بتلا ہوگئے اوریوں اسلام اور مسلمانوں کی شبیح (imge) خراب کردی۔یہ لوگ اگر قرآن مجید کی مختصر سورۃ سورہ اخلاص کو ہی سمجھ لیتے تو ہرگز شرک میں گرفتار نہ ہوتے۔

اسلام کا عقیدۂ توحید

اسلام کی کامیابی اور اس کے تیزی سے پھیلنے پر یورپ کے محققین نے تجزیہ کرکے اس بات کا انکشاف کیا کہ اسلام کا عقیدہ توحید کا ایک سیدھا سادہ عقیدہ ہے جو عقل و فکر سے میل کھاتا ہے۔ اس لئے تمام قوموں نے اسے آسانی سے قبول کرنا شروع کردیا اور عیسائیت کو اسلام کے مقابلے میں شکست اٹھانی پڑی۔ سب مسلمانوں کا ایک ہی عقیدہ تھا کہ اللہ ایک ہے اور سب نے ایک اللہ اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب ، قرآن مجید پر ایمان لایا تھا اور اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے تھے اور یکجا ہوکر ایک جماعت کی شکل میں قرآن اور طریقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرکے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوکر اسلام کی خدمت کرتے تھے۔یہی ان کی کامیابی کا راز تھا اور دین اسلام کے اسی جذبہ اور نظام کی بدولت مسلمان دنیا پر عرصہ دراز تک حاوی رہے۔ جب تک مسلمان ایک ہی جماعت بن کر اسلام کے سایہ میں رہ کر یکجا ہوکر جدوجہد کرتے رہے دنیا کی کوئی طاقت ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کرسکتی تھی۔ لیکن جب یہ لوگ فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گئے اور ایک دوسرے کے خلاف سخن سازی کرنے لگے تو ان کی مضبوط اور سیسہ پلائی دیوار دیکھتے دیکھتے گرکر زمین بوس ہوگئی۔ دنیا پر چھایا ہوا ان کا رعب و داب آناً فاناً ختم ہوگیا اور دنیا کی کمزور قوموں میں ان کا شمار ہونے لگا اور عدم اتحاد کی وجہ سے غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

انسانوں کی سیاسی اور اقتصادی ترقی کے لئے دنیا میں مختلف نظریئے پیش کئے گئے سوشلزم (Socialism) کمیونزم (Communism) اور مارکسزم (Marxism) جیسی کئی تحریکیں سامنے لائی گئیں لیکن یہ سب تحریکیں یکے بعد دیگرے ناکام ہوئیں اور آج سے چودہ سو برس پہلے ایک نبی امی نے جو اسلامی تحریک پیش کی اگر دنیا اس پر عمل پیرا ہوجاتی تو تمام مشکلات سے نجات پا لیتی اور انسانوں کی سیاسی رسہ کشی ، فاقہ کشی، بے کسی و بے بسی اور غربت کی خوفناک کشمکش کا خاتمہ ہوجاتا اور ان کی دشمنی دوستی میں بدل جاتی۔ اسلام نے ہی دنیا کو کامیاب زندگی کا دستور دیا کہ سب لوگوں کی قومیت ایک ہے۔ سب حضرت آدم کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے سبوں کا دین، قانون، آئین اور سیاست ایک ہے۔ بعثتِ نبویؐ کے دور میں لوگ افراتفری کی زندگی گزار رہے تھے ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی لوگ مختلف قومیتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ حسب و نسب اور رنگ و نسل کی بنا پر آپس میں لڑ رہے تھے۔ وطن اور سیاسی تعصب کے باعث ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ نفرت کے اس عالم میں خون بہایا جارہا تھا۔ بستیاں اجڑ رہی تھیں کہیں سے امن و امان اور انسانی ہمدردی کی بو نہیں آرہی تھی۔ لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کا جھنڈا لہرایا تو یہ خونریزی، نفاق، تعصب، فتنہ و فساد اور بے حیائی و بے راہ روی ختم ہوگئی اور دنیا میں ہمدردی اور انسانیت کی حکومت قائم ہوگئی کالے اور گورے کی تفریق مٹ گئی اور مشرق و مغرب کے انسان ایک خاندان بن گئے۔

اسلام کا نظریۂ حیات

اسلام نے جو قومی وحدت کا خاکہ پیش کیا اس کے ذریعے سے مسلمانوں نے پوری دنیا میں ایک ملت، ایک شریعت، ایک تحریک اور ایک حکومت تشکیل دی۔ سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

اِنَ ھٰذِہٖ اُمّتُکُمۡ اُمَۃً وَاحِدَہ وَاَنَا رَبُکُمۡ فَاعۡبُدُوۡنَ o

قرآن مجید نے تمام انسانوں کو ایک دین ایک تحریک اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے خدا کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ انسانی وحدت کی حقیقت دنیا کے سامنے پیش کی اسلام کی اس پکار میں ایسی کشش تھی کہ سنتے ہی لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرنا شروع کردیا اور ایک صدی کے اندر اس کی دعوت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور اگر مسلمانوں میں فرقہ وارانہ اختلافات پیدا نہ ہوتے تو ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوتا اور سارا عالم اس کے زیرنگین ہوجاتا۔

موجودہ دور میں سیاسی مفکرین نے ایک جماعتی راج (one party rule) طرز کی جمہوریت کا خاکہ پیش کیا اور اس طرز عمل کی حکومت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ملک میں سیاسی رسہ کشی اور افراتفری و نظم شکنی کا ماحول پیدا ہونے کا امکان کم رہتا ہے۔ اس طرح کی جمہوری حکومت قائم ہونے سے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جس طرح کی جمہوریت کا خاکہ خلافت کے نام سے پیش کیا تھا، دور جدید کے لوگوں نے اسے دوبارہ قائم کرنے کی سعی وجہد کی۔ یعنی اسلام نے ہی ایک دین اور ایک پارٹی کے جمہوری نظام کو قائم کیا تھا لیکن یہ مسلمانوں کی بد قسمتی تھی کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کے جمہوری نظام کو شخصی راج (dictatorship) میں تبدیل کیا گیا۔ اسلام کے جمہوری نظام کو شخصی راج میں بدلنے سے مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور وہ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے اور دیرے دیرے یہ گروہ بندی اور جماعت بندی فرقہ واریت اور فرقہ پرستی میں تبدیل ہوگئی۔ پھر ایک قلیل عرصہ میں مسلمانوں میں حضرت علیؑ کے باغیوں نے خوارجی کے نام سے ایک علٰحدہ گروہ بنایا جو بعد میں ایک فرقہ بن گیا اور یہ مسلمانوں کی فرقہ واریت کا پہلا فرقہ ہے اور اس کے بعد دو بڑے فرقے اہل تشیہ اور اہل سنی وجود میں آگئے اور یہ فرقہ بندی جاری رہی یہاں تک کہ موجودہ زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اتنے فرقوں میں بٹ گئے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کی صدائے حق دنیا میں اس شان وشوکت سے گونج اٹھی کہ دنیا کا اندھیرا دور ہوگیا اور جہالت و توہم پرستی کی دیواریں ہل گئیں۔ اندھی تقلید اور مشرکانہ عقائد کی عمارتیں منہدم ہوگئیں اور عقل و فکر و امن و امان کی بنیادیں قائم ہوگئیں اور روشن ضمیر لوگوں نے محسوس کیا کہ باپ دادا کے چھوڑے ہوئے رسوم بد اور بت پرستی پر جمے رہنا انسانیت پر ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس لئے انہوں نے قدیم مشرکانہ عقائد و خیالات کو ٹھکرادیا اور اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی نئی نسل اسی گمراہی میں بتلا ہوگئی جس سے اسلام نے انہیں نجات بخشی تھی۔ اکثر مسلمان باپ دادا کی مشرکانہ حرکتوں کے پجاری بن گئے اور مشرک اسلاف کے طور طریقوں کے مقلد بن گئے اور جاہل صوفیوں اور گمراہ پیر فقیروں کی ایجاد کردہ بدعتوں پر عمل پیرا ہوئے اور ان جاہل اور مشرکانہ اعمال کی تقلید کرنے والوں کے دلوں میں قرآن پاک کے احکام کے لئے کوئی جگہ نہیں ۔ سیرت صحابہ اور سیرت رسولؐ کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں، کوئی جاہل جو قرآن و حدیث سے بے بہرہ ہوتا ہے انہیں جب کسی بدعت کی دعوت دیتا ہے تو جوق درجوق اس کے ارد گرد جمع ہوجاتے ہیں لیکن اگر کوئی مخلص عالم انہیں قرآن کی تعلیم اور سنت رسول کی طرف بلائے تو نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر دعوت حق کو رد کردیتے ہیں۔ عام لوگوں پر علماء حق کے بجائے علماءِ سوٗ کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور امت کی رہنمائی کی باگ ڈور عموماً ان ہی علماءِ سوٗ، خود غرض بے دین حکمرانوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو انہیں لادین سیاست اور حکومت کا تصور دے کر گمراہ کردیتے ہیں اور اس طرح یہ مسلمانوں کو اسلامی حکومت کے خواب کو پورا ہونے نہیں دیتے ہیں اگر مسلمان اپنے رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کے طریقے کو اپناتے تو یقیناً اسلام ساری دنیا پر چھا جاتا اور پُرخلوص اور بے ریا لوگ اسلام قبول کرلیتے لیکن مسلمانوں میں نہ وہ عمل و اخلاق رہا اور نہ وہ تقویٰ اور تقدس اور نہ وہ دلیری بے باکی اور سادگی رہی جسے دیکھ کر لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیتے بلکہ مسلمانوں کا حال دیکھ کر لوگ اسلام سے دور ہورہے ہیں اور دنیا کے بے بنیاد فلسفوں اور نظریات کو اپناتے ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد اسلامی تحریک بارہ صدیوں تک جس شان وشوکت سے آگے بڑھتی رہی اور اپنی کامیابی کا مظاہرہ کرکے پوری دنیا پر غالب رہی اور اپنی خوبیوں کی دھاک بٹھادی اس کا راز اس فرمان الٰہی اور حدیث رسول میں پوشیدہ تھا۔

فرمان الٰہی: وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران: ۱۰۳)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (آل عمران: ۱۰۵)

حدیث رسول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تَعْبُدُ اللہَ وَلَا تُشْرِكُوْبِہٖ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ یعنی ا س کے غلام اور بندے بن جاؤ اور اپنی پوری زندگی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں اس لی اطاعت کرو۔ وہ تمہارا معبود ہے اور اسی کی عبادت کرو اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے حقوق اور اختیارات میں کسی کو شامل نہ کرو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو یعنی فرداً فرداً ہر شخص دین کی اتباع کو کافی نہ سمجھے بلکہ امت مسلمہ کی حیثیت سے دین پر عمل کرے اور اپنی اجتماعی زندگی میں اسے نافذ کرے اور قرآن مجید تمہارے لئے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا ضابطۂ حیات ہے۔ اس لئے تم اس ہدایت کی کتاب کے مطابق زندگی بسر کرو اس کے اصول، احکام او رقوانین وہدایت پر عمل کرو۔ بنی اسرائیل جب اللہ کی کتاب سے دور ہوگئے اور اسے ترمیم وتبدیلی کا نشانہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب نازل فرمایا۔ لہذا قرآن کے احکام کی تعمیل کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرو۔

امت مسلمہ کی بنیاد اتفاق و اتحاد پر

مسلمانوں پر اس بات کے لئے زور دیا گیا ہے کہ فرقہ بندی سے پرہیز کرو۔ مسلمانوں میں تفرقہ مت ڈالو، ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کرجدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ فرقہ بندی اللہ کے نزدیک ایک سنگین جرم ہے اور فرقہ بندی کرکے مسلمان دین کی خدمت نہیں کرسکتے ہیں بلکہ دین کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔

مسلمانوں کو اگر فرقہ بندی، نظریاتی اختلافات اور آپسی رسہ کشی سے اپنے آپ کو بچانا ہے تو انہیں اتحاد ملت کی تحریک چلانے کی اشد ضرورت ہے اور اس تحریک میں کشادہ دل، عالی ظرف اور خدا سے ڈرنے والے لوگوں کی شمولیت ضروری ہے تاکہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوجائے۔ اس تحریک کے لئے اتحاد اور اتفاق اتنا اہم ہے جتنا انسانی زندگی کے لئے آکسیجن ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق میں خلل پڑگیا اور وہ فرقوں میں بٹ گئے تو ان کی زندگی وبال جان بن کررہ گئی۔ اسلام دین فطرت ہے اس دین میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، اعتقادات اور دوسرے امورات کو جو اہمیت حاصل ہے وہی اہمیت اتحاد ملت کو حاصل ہے۔ ملت اسلامیہ میں اتحاد کی بنیاد اسی وقت پڑتی ہے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ انہوں نے ملت واحدہ کی صورت اختیار کرلی اور ذاتی مفادات، مختلف نظریات، نسلی تفرقات اور آپسی اختلافت کو ختم کرکے اس امت نے سلطنت اسلامیہ کی بنیاد ڈالدی۔ اتحاد ملت کی بدولت ہی صحرا نشینوں کو شہنشاہی بخشی گئی اور عرب سے نکل کر دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں پر انہوں نے اسلامی جھنڈا لہرایا اور نہ صرف اس وقت کے سپر پاور قیصر و کسریٰ کی ناقابل تسخیر سلطنتوں کو زیر کیا بلکہ پوری دنیا کو اسلام کی عدالت، صداقت، شرافت، سیاست، حکومت، مساوات اور انسانیت کے اصولوں سے روشناس کیا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی ملت اسلامیہ اتفاق و اتحاد کی نعمت سے محروم ہوکر فرقہ پرستی کی دلدل میں پھنس گئی تو وہ بام عروج سے گرکر محکوم و مظلوم ہوکر رہ گئی۔

دور خلافت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول سوموار تریسٹھ سال چار دن کی عمر پاکر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ جب آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھل گئی تو اہل مدینہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ایک طرف لوگ آپؐ کی جدائی میں خون کے آنسو بہا رہے تھے تو دوسری طرف وفات کی خبر سن کر حضرت عمرؓ عشق رسولؐ میں بہہ گئے ۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپؐ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے گئے تھے آپؐ اسی طرح واپس آئیں گے جس طرح وہ چالیس دن کے بعد اپنی قوم کے پاس واپس آگئے تھے۔ حالانکہ واپس آنے تک ان کے متعلق بھی کہا جاتا تھا کہ وہ وفات پاگئے ہیں۔ اِدھر حضرت ابوبکرؓ آپؐ کی خبر سن کر تشریف لائے اور سیدھے حجرہ رسولؐ میں داخل ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جسد مبارک جو یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا کے پاس گئے ۔ انہوں نے رُخ انور سے چادر ہٹائی اور روئے مبارک کو چوما اور رو کر فرمایا: اللہ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ پر آچکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اس وقت لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوگئے اور انہوں نے ایک مختصر خطبہ دیا:

مَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ یَعۡبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ مَاتَ وَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ یَعۡبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَایَمُوۡتُ۔

قَالَ اللّٰہُ..... وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝

اللہ کا ارشاد ہے:

محمدؐ صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ (محمدؐ) وفات پاجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اب تک اپنے محبوب پیغمبر کی جدائی میں حیران و پریشان تھے کو حضرت ابوبکرؓ کا یہ خطاب سن کر یقین آگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی وفات پا چکے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے پہلے آپؐ کا جانشین مقرر کیا گیا کیونکہ آپؐ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی آپ کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا۔ مہاجرین و انصار کے درمیان بحث و تکرار ہوئی آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ چونکہ لوگ خلیفہ مقرر کرنے میں مشغول رہے اس لئے آپؐ کا جسد مبارک جو یمنی چادر سے ڈھکا تھا تب تک بستر پر رہا جب تک لوگ خلیفہ چن کر خلافت قائم کرکے فارغ ہوئے دوسرے دن منگل کے روز آپؐ کو غسل دیا گیا اور آپؐ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ جس بستر پر آپؐ کی وفات ہوئی تھی وہ بستر اٹھایا گیا اور اُسی جگہ پر آپؐ کی تدفین ہوئی لوگوں نے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں باری باری حجرہ شریف میں نماز جنازہ پڑھی پہلے مردوں نے اور ان کے بعد عورتوں اور بچوں نے اور اس طرح صحابہ کرامؓ نے پُرنم چشموں کے نظارے میں روح مقدس کو بارگاہ الٰہی کی طرف الوداع کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ وعدہ وفا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت کا مزہ چکھتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوکر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور رب العالمین کا وعدہ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ۔ پورا ہوا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

یہاں پر ایک باریک نقطہ سامنے آتا ہے کہ نبیؐ کے کفن و دفن کو مؤخر کرکے خلیفہ کے انتخاب کو کیوں ترجیح دی گئی سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مسلمانوں میں افراتفری پھیل چکی تھی۔ مہاجرین اور انصار دونوں اپنا اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے اختلاف اور تصادم کے پیش نظر نبیؐ کے کفن و دفن سے پہلے مسلمانوں نے خلیفہ کے انتخاب کو ترجیح دی تاکہ خلیفہ کا انتخاب کرکے لوگوں میں پھیلی افراتفری ختم کرکے امن و امان قائم کیا جائے جو ایک ضروری اور دانستہ اقدام تھا۔ نبیؐ کے جسد اطہر کو دفنانے کے بعد مسلمانوں میں پوری طرح سے امن و امان قائم ہوگیا ہر کسی نے خلیفہ کی اطاعت میں اسلامی جمہوریت کو مضبوط کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اس طرح مسلمانوں نے دنیا کی پہلی جمہوری ریاست قائم کردی جو دور حاضر کے جمہوریت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے روشن مینار (Becon Light) کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج بھی یہ دنیا کا دستور رہے ہے کہ کسی ملک کا سربراہ اپنی موت سے پہلے اپنے جانشین کو مقرر کرتا ہے یا سربراہ کی موت کے بعد حکومت کے اہل کار پہلے ملک کے سربراہ کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر میت

کے مروجہ رسومات ادا کئے جاتے ہیں یہ طریقہ دراصل مسلمانوں نے اپنا پہلا خلیفہ منتخب کر کے رائج کیا۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی جمہوریت (خلافت) اور مغربی جمہوریت (حکومت) میں بہت بڑا فرق ہے۔ مغربی جمہوریت عوامی حاکمیت اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین پر قائم ہوتی ہے اس کے برعکس اسلامی جمہوریت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید کے قوانین پر منحصر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے خلافت قائم کرنے کا جو طریقہ اپنایا یہ کوئی ناپسندیدہ طریقہ نہ تھا بلکہ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (سورہ بقرہ:۳۰)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

۲۔ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (النور:۵۵)

ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہوں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔''

۳۔ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ (الاعراف:۶۹)

ترجمہ: ''اور (اے قوم عاد) یاد کرو جب اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔''

۴۔ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ عَادٍ (الاعراف:۹۴)

ترجمہ: ''اور (اے قوم ثمود) یاد کرو جب اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔''

۵۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ○ (الاعراف:۱۲۹)

ترجمہ: ''(اے بنی اسرائیل) قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور زمین میں تم کو خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

۶۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ۔ (فاطر:۳۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا پھر جو کفر کرے تو اس کا کفر اُسی پر وبال ہے۔''

لیکن قرآن میں جس خلافت کا ذکر ہے اس میں کوئی ایک شخص یا خاندان حکم رانی نہیں کرتا بلکہ لوگوں سے چنے ہوئے نمائندوں کی جماعت ایک امیر کی سربراہی میں حکومت کرتی ہے جو ان اصولوں کو تسلیم کرتی ہے جو قرآن میں دیئے گئے ہیں اور اہل ایمان کی جماعت میں ہر فرد خلافت میں برابر کا حصّہ دار ہوتا ہے کسی شخص یا طبقے کو عام مومنین کے اختیارات چھین لینے کا حق نہیں اور نہ کوئی شخص یا طبقہ خلافت کے حق دار ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت اور دوسری طرح کی حکومتوں سے الگ کرکے اسے صحیح جمہوریت کی شان بخشتی ہے اور اسے موجودہ دور کے لوگوں کی رائے اور ان کے بنائے ہوئے قوانین پر مبنی جمہوریت سے الگ کردیتی یہ قانون خداوندی میں محدود ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح کے نظام کو چلانے کے لئے عوام کو امر بالمعروف اور نَہِی عَنِ المُنکر کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔ یعنی نیک کاموں کا حکم دینا اور برائیوں کو روکنا ان کی اہم ذمہ داری ہے۔

خلافت یعنی مسلمانوں کی حکومت آپس کے مشورے سے چلتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے نظام شوریٰ کا ہونا ضروری ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

وَاَمرُ ھُم شُوَرٰی بَینَھُم ۔(شوریٰ:۳۸)

ترجمہ: ’’اور مسلمانوں کا کام آپس کے مشورے سے چلتا ہے۔‘‘

خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری شوریٰ کو سونپ دی جاتی ہے اور ان کی اطاعت کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

یَایُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوٓ اَطِیعُوٓ اللہُ وَاَطِیعُواالرَّسُولَ وَ اولِی الاَمرِ مِنکُم۔

ترجمہ: ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولُوالامر (بااختیار لوگ) ہوں۔

اس نظام حکومت کو ہر ایک نظام سے جو چیزیں مُمیز کرتی ہیں وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ اس نظام حکومت میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اہل ایمان کی حکومت دراصل خلافت ہے جو اللہ کے احکام پر چلائی جاتی ہے۔

۲۔ قرآن و سنت کا قانون ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر مملکت کے سربراہ تک یکسان ہے کسی کے لئے امتیازی سلوک کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ تمام مسلمانوں کے حقوق بلا لحاظ رنگ و نسل اور زبان اور وطن بالکل برابر ہیں۔

۴۔ حکومت اور اس کے اختیارات ایمان دار اور عادل لوگوں کے سپرد ہوتے ہیں۔

۵۔ ریاست کا سربراہ مسلمانوں کے مشورے سے مقرر ہوتا ہے اور حکومت کا نظام بھی مشورے سے چلایا جاتا ہے۔

٦۔ حکومت کی اطاعت صرف معروف میں واجب ہے معصیت الٰہی یعنی خدا کی نافرمانی اور حکم عُدُولی اور گناہوں کے ارتکارب میں نہیں۔

۷۔ خلافت کے لئے سب سے زیادہ غیر موزون لوگ وہ ہیں جو خود عہدہ حاصل کرنے کے طالب ہوں۔

۸۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی نظام زندگی کو کسی ردوبدل کے بغیر قائم رکھیں۔

۹۔ مسلم معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے کہ نیکی اور بھلائی کی حمایت کرے اور معاشرے میں جہاں بھی غلط کام ہورہا ہو ان کو اپنی امکانی حد تک روکنے کی کوشش کرے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی قائم کردہ حکومت کے نقش قدم پر استصواب رائے یعنی شورائے عام سے جو حکومت تشکیل دی وہ خلافت کے نام سے آج تک دنیا بھر میں مشہور و معروف ہے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے اپنے جانشین کو مقرر نہیں کیا تھا اور اس بارے میں خاموشی اختیار کی تھی تاہم مسلمانوں نے قرآن سے استفادہ کرکے جمہوری طرز کی حکومت بنائی جو نہ شخصی اور نہ خاندانی بنیاد پر قائم ہوئی اور نہ اس میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جو اس حکومت کو چلانے کے خواہاں تھے۔ یہ حکومت خلافت راشدہ کے نام سے اسلامی تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے لئے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نامزد کیا اور لوگوں نے باتفاق رائے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کا طریقہ دورجدید کی رائے دہی (voting) کے عین مطابق تھی۔ حضرت عمرؓ کا نام خود خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے پہلے خلافت کے لئے تجویز کیا اور لوگوں نے اس پر اتفاق کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک انتخابی مجلس مقرر کی اور فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے مشورے اور رائے کے بغیر امیر بننے کی کوشش کرے اسے مسترد کرنا چاہئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بننے سے منع کردیا تاکہ خلافت ایک موروثی منصب نہ بن جائے پھر استصواب رائے یعنی رائے عامہ سے حضرت عثمانؓ خلافت کے لئے منتخب ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کو اہل شوریٰ نے مسلمانوں کی مرضی کے مطابق خلیفہ منتخب کیا۔

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد اگرچہ لوگ حضرت حسن کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے حضرت

علیؓ کی اس وصیت کے پیش نظر کہ میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑا تھا، اس خیال کو ترک کیا۔

خلفائے راشدین میں ہر ایک نے اپنے اپنے منصوبوں پر فائز ہو کر مسلمانوں کے باہمی مشورے اور ان کی آزادانہ رضامندی سے خلافت کے کام بحسن خوبی اور خوش خُلقی سے سرانجام دیئے۔ صحابہ کرام کی نظروں میں موروثی یا طاقت سے برسراقتدار آنے والی حکومت خلافت نہیں بلکہ بادشاہی ہے۔ اس حقیقت کو ابو موسیٰ اشعری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ خلافت وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔ چاروں خلفائے راشدین انتظام اور قانون سازی کے معاملے میں قوم کے اہل الرائے لوگوں سے مشورہ لیتے تھے جب ان خلفاء کے پاس کوئی معاملہ آتا تو وہ پہلے یہ دیکھتے تھے کہ اس معاملہ میں اللہ کی کتاب کیا کہتی ہے اگر وہاں کوئی حکم نہ ملتا تو یہ دیکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے اور اگر سنت رسول میں بھی کوئی حکم نہ ملتا تو باہم مشورہ کرتے تھے اور پھر جس رائے پر اتفاق ہوتا تھا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔

خلافت راشدہ کی خلافت میں تنقید پر اظہار رئے کی پوری آزادی تھی۔ خلفائے راشدین سیکورٹی انتظام اور ذاتی محافظ دستوں کے بغیر عوام کے پاس ان کے مسائل حل کرنے کے لئے آتے تھے اگرچہ بعد میں منافقوں اور شرپسندوں کی سازشوں اور مجرمانہ حرکات کی وجہ سے ذاتی محافظوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ ہر شخص کو خلیفہ پر تنقید کرنے اور ان سے محاسبہ کرنے کی آزادی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے پر کہ نکاح میں مہر مقرر کردیا جائے، ایک عورت نے جب ٹوکا تو انہوں نے فوراً اپنا فیصلہ واپس لیا۔ سلمان فارسی نے جب ان سے محاسبہ کیا کہ مال غنیمت سے سب کے حصے میں ایک ایک چادر آئی جس سے صرف ایک کرتا یا پاجامہ بنتا تھا تو آپ کی چادر سے کرتا اور پاجامہ دونوں کپڑے کیسے بنے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت پیش کردی۔ کہ ان کی چادر اور میری چادر سے میرا کرتا اور پاجامہ تیار ہوا۔ اس طرح خلفائے راشدین میں سے ہر ایک نے عام لوگوں لی آزادی رائے کا احترام کیا۔ خلافت راشدہ کا یہ دور روشنی کا ایک مینار تھا جس سے ان کے بعد آنے والے فقہا، محدثین اور عام لوگ روشنی پاکر اندھیرے یعنی گمراہی سے محفوظ رہے اور اسی کو یہ اسلام کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملوں میں معیار سمجھتے رہے۔ حکومت ایک تھی، دین ایک تھا اور مسلمانوں کی جماعت بھی ایک ہی تھی۔ حکومت کے فیصلوں میں جس طرح صاحب الرئے لوگوں سے مشورہ لیا جاتا تھا اسی طرح دین میں فقہی مسائل ذی علم شخصیات کی رائے کے مطابق حل کئے جاتے تھے۔ اس طریقہ کار سے حکومت اور مذہب میں پیدا شدہ مسائل حل کئے جاتے تھے اور تمام مشکلات دور کی جاتی تھیں لوگوں میں یکجہتی تھی اور اس یکجہتی اور اتفاق رائے سے انہوں نے دین کو فرقہ بندی سے بچایا اور دین کے محافظ بن گئے۔

خلافت راشدہ محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی بلکہ یہ نبوت کی نیابت تھی اور اس کے حکمران نہ صرف سیاسی حکمران تھے بلکہ وہ نبیؐ کے نائب اور جانشین تھے اور اسلام میں اسی نوعیت کی ریاست مطلوب ہے نہ کہ محض ایک سیاسی حکومت لیکن خلافت آخرکار مرحلہ وار ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ تبدیلی کا آغاز حضرت عمرؓ کے اس خدشے سے ہوا کہ کہیں ان کا جانشین اقربا پروری کی پالیسی اختیار نہ کرے جو اسلامی عقائد اور خلافت کے اصولوں کے خلاف ہے اور جو رسول اللہؐ کے زمانے سے ان کے زمانے تک چلی آرہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پوری عہد حکومت میں رشتہ داری کی بنیاد پر کسی کو کوئی عہدہ نہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یہی طریقہ اپنایا اور اپنے رشتہ داروں کو محض رشتے کی بنیاد پر عہدہ دینے سے گریز کیا۔ لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو وہ اس پالیسی سے ہٹ گئے انہوں نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اس لئے وہ ہمیشہ لوگوں کے اعتراض اور تنقید کا نشانہ بن گئے۔ حالانکہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جن رشتہ داروں کو عہدے دئے تھے انہوں نے اعلیٰ درجے کی قابلیت کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سارے فتوحات بھی ہوئیں لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ان کے رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے ہونہار اور قابل لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے ان سے زیادہ قربانیاں دی تھیں۔ اس کے علاوہ اس بات پر بھی لوگوں میں گہری تشویش پائی جاتی تھی کہ خلافت کے اکثر علاقوں میں خلیفہ کے رشتے دار گورنر بنائے گئے تھے جو اقربا پروری کا بہت بڑا ثبوت تھا اور اکثر لوگ اس وجہ سے بھی ناراض تھے کہ حکومت کے انتظام میں صف اول کے جو صحابہؓ اسلام کی سربلندی کے لئے مال و جان کے ساتھ پیش پیش تھے انہیں کیسے ہٹا دیا گیا اور ان کے بجائے ان لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر آگے لایا گیا جنہیں فتح مکہ کے بعد نبیؐ نے معافی دی تھی اور وہ اسلام میں شامل ہوگئے تھے۔ حضرت معاویہ اور مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اکثر عہدہ داروں نے فتح مکہ کے موقعہ پر یا اس کے بعد ایمان لایا تھا۔ اس لئے نبیؐ کی صحبت و تربیت سے انہیں زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا تھا۔ اس لئے یہ عہدداری کے زیادہ حق دار نہ سمجھے جاتے تھے۔ مروان اور اس کے باپ حکم بن العاص کو نبیؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا لیکن حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے زمانے میں دونوں باپ بیٹے کو مدینہ واپس لایا اور مروان کو خلافت کے سیکریٹری (Secretary) کے منصب پر

مقرر کیا جو لوگوں کو ناگوار ہوا۔ ان وجوہات کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی پالیسی لوگوں کے لئے بے اطمینانی کی موجب بن گئی اور اس اقربا پروری کے نتیجہ میں دو کام زیادہ مہلک ثابت ہوئے ایک یہ کہ آپ نے حضرت معایہ کو مسلسل اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) تک ایک ہی صوبے شام کی گورنری پر مامور رکھا دوسرا جو اس سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا مروان بن الحکم کو خلیفہ کے سیکریٹری کے اہم عہدہ پر فائز کرنا تھا۔ اس شخص نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور ان کی اقربا پروری سے فائدہ اٹھا کر ایسے کام کئے جن سے حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات خراب ہو گئے۔

مذکورہ غیر یقینی صورت حال کے باوجود حضرت عثمانؓ کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرکے انہیں جو مراعات دیئے اسے وہ معیوب اور خلاف سنت نہیں سمجھتے تے مگر ان کے رشتہ داروں نے عہدداری کا غلط استعمال کرکے ان کی ذات کو کافی نقصان پہنچایا اس کے باوجود بھی مسلمانوں نے ان کی خلافت پر پورے اعتماد کا اظہار کیا اور ان کی مخالفت اور کردار کشی سے گریز کیا۔ اس لئے صحابہؓ کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ہر کوئی صحابی دین کے بارے میں پُرخلوص تھا اور ہر کسی نے دین کی بے لوث خدمت کی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات

حضرت عثمانؓ کے چند رشتہ داروں کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے جن میں مروان بن الحکم قابل ذکر ہے ایک مختصر گروہ نے ان کے خلاف بغاوت کی اور اس بغاوت میں جن لوگوں نے حصہ لیا وہ مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ باغیوں کا یہ ٹولہ جن کی تعداد دو ہزاار کے قریب بتایا جاتا ہے۔ مدینہ میں گھس گیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیر لیا اور اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہوجائیں۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے کہا کہ تمہاری صحیح اور جائز شکایت دور کرنے کے لئے میں تیار ہوں لیکن خلافت سے دست بردار نہ ہوجاؤں گا۔ اس پر ان لوگوں نے چالیس روز تک ہنگامہ کرکے محاصرہ جاری رکھا اور بالآخر انہیں بے دردی سے شہید کردیا۔ تین دن تک ان کے جسد مبارک کو دفن نہ لیا جاسکا۔

چونکہ قاتلین عثمان اچانک مدینہ پہنچ گئے تھے اور انہوں نے ان کے گھر کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور لوگ اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کا قتل جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ خود بھی یہ نہ چاہتے تھے کہ مدینۃ الرسول میں مسلمان ایک دوسرے سے لڑپڑیں اور خونریزی کریں بلوائیوں نے ان کے اس فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھاکر انہیں شہید کردیا۔ اس طرح انہیں ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو شہادت نصیب ہوئی اس کاروائی کے بعد بلوائیوں نے

مدینہ میں ایک زبردست ہنگامہ برپا کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان کردیا۔ مدینہ میں خونریزی کے خطرے کے پیش نظر حضرت علیؓ نے بلوائیوں کی اس پیش کش کو قبول کیا اور مسجد نبوی میں ایک اجتماع عام میں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں اپنا خلیفہ منتخب کیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ ابھی خلافت کے عہدے کا چارج ہی سنبھال رہے تھے کہ شہید عثمانؓ کا خون آلودہ قمیص اور ان کی اہلیہ محترمہ نائیلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت معاویہ کے پاس دمشق جہاں ان کا دارالخلافہ تھا پہنچائی گئیں اور انہیں منظر عام پر لٹکا دیا گیا جس سے شام کے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ حضرت معاویہ کے ساتھ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گئے۔

ادھر حضرت علیؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلا قدم یہ اٹھایا کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معذول کردیا اور حضرت سنبل بن حنیف کو شام کی گورنری کا عہدہ سنبھالنے کے لئے روانہ کیا لیکن حضرت سنبھل کو حضرت معاویہؓ کے حمایتیوں نے مزاحمت کر کے واپس بھیج دیا اور حضرت علیؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ حضرت معاویہ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ صرف اطاعت سے منحرف نہیں بلکہ وہ پوری طاقت کے ساتھ مرکزی حکومت یعنی خلافت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوئے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے اس طرز عمل پر حضرت علیؓ کو لشکر کشی کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اس لئے انہوں نے شام پر چڑھائی شروع کردی اور یہ فیصلہ خلافت کے آئین اور اصولوں کے مطابق تھا کیونکہ دنیائے اسلام کی خلافت اور حکومت میں ایک صوبے کی علاحدہ حکومت قطعاً جائز نہ تھی اور ایک منتخب خلیفہ کے خلاف تلوار لے کر کھڑا ہوجانا خلافت یعنی اسلامی حکومت کے ساتھ تو سراسر غداری اور بغاوت تھی۔ جسے دنیا کی کوئی بھی جمہوری حکومت برداشت نہ کر سکتی۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ شام کے سب لوگ حضرت معاویہ کی بغاوت کا ساتھ دے دیتے لیکن عین وقت پر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؓ کو ساتھ دینے کے بجائے ان کے خلاف اعلان جنگ کردیا جو اسلامی تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ سے فارغ ہو کر ۳۶ھ میں حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے معاویہؓ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ امت جس خلافت پر جمع ہو چکی ہے اس کی اطاعت قبول کرلیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ ڈالیں۔

رہا سوال حضرت عثمان کے قاتلوں کو سزا دینے کا تو انہیں خلافت کا انتظام سنبھالنے کے بعد ہی قرآن وسنت کی روشنی میں سزا دی جاسکتی ہے۔ فی الحال شہادت عثمانؓ پر لوگوں میں افراتفری اور غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس افراتفری اور بے اطمینانی کے بعد ہی قاتلین عثمان کو سزا دینا مناسب ہے۔ معاویہؓ نے ایک مدت تک خاموشی اختیار کی اور معاملے کو ٹالتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علیؓ کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔

اس کے بعد ۳۷ھ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ایک خونریز جنگ شروع ہوئی اس جنگ کے دوران ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے شہید ہوگئے۔ ان کے متعلق نبیؐ نے پیش گوئی کی تھی کہ انہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا چونکہ وہ حضرت علی کی فوج میں شامل تھے اور انہیں حضرت معاویہ کے فوج نے شہید کردیا اس لئے ان کی شہادت سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حضرت علیؓ حق پر اور حضرت معاویہ باغی ہیں۔ جب حضرت عمار کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کی لشکر میں پہنچی تو وہ اپنے آپ کو باغی سمجھنے لگے اور ان میں افراتفری مچ گئی۔ لیکن جب حضرت معاویہؓ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فوراً اس کی تاویل کی کہ عمار کو باغی گروہ نے میدان جنگ میں لایا اس لئے انہوں نے اسے قتل کروایا حالانکہ وہ حضرت علیؓ کی لشکر میں شامل تھے اور حضرت معاویہؓ کے لشکر نے اسے شہید کردیا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر علیؓ نے عمار کو معاویہؓ کے سامنے لاکر قتل کروایا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو جنگ بدر میں لاکر کافروں کے ہاتھوں قتل کروایا۔

عمارؓ کی شہادت کے بعد دوسرے روز معایہ کی فوج جب شکست کے قریب تھی تو عین اسی وقت معاویہ کے فوج نے نیزوں پر قرآن اٹھالیا اور اعلان کردیا۔ ھٰذا حَکَمُ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُم یہ قرآن ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے اور یہی فیصلہ کرے گا۔

یہ صرف ایک جنگی چال تھی۔ حضرت علیؓ کی فوج اس چال کو نہ سمجھ سکی اور دھوکے میں آکر انہوں نے حضرت معاویہؓ کی پیش کش کو قبول کرنے پر زور دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ یہ دشمن کی جنگی چال ہے مگر انہوں نے ان کی ایک نہ مانی اور آخر کار حضرت علیؓ نے مجبور ہوکر جنگ بندی کا اعلان کردیا۔ دونوں طرف حکم مقرر کئے گئے۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ حَکَم مقرر ہوئے اور معاہدے کی عبارت یہ تھی۔

دونوں حَکَم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنت عادلۂ جامعۂ غیر مفرقِہ پر عمل کریں۔ (الطبری) (ابن خلدون) یعنی قرآن وسنت کی رو سے فیصلہ کرکے قضیہ کو ختم کیا جائے۔

چونکہ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ ’’مسلمانوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں پھر اگر ان میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہو تو زیادتی کرنے والی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے‘‘ حالانکہ حضرت عمارؓ کی شہادت سے یہ عندیہ مل چکا تھا کہ باغی حضرت معاویہؓ کا گروہ ہے کیونکہ اسے اسی گروہ نے قتل کیا تھا اور امیر کے حکم کی اطاعت کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں اور حضرت علیؓ منتخب امیر المؤمنین تھے۔ اس کے علاوہ قتل اور خون کے دعوے کا بھی شریعت میں صاف ضابطہ موجود تھا۔ مگر حضرت معاویہ کی طرف سے ان سارے پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا۔ آخر کار دونوں فریق ایک کمیشن (commission) بنانے پر متفق ہوگئے۔ کمیشن نے فیصلہ لیا کہ دونوں خلافت کا دعویٰ کرنے والے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو برطرف کرکے خلافت کے انتخاب کو مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔

جب دونوں فریقین جلسہ عام میں فیصلہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ کی طرف سے اعلان کردیا کہ ہم اس رائے پر متفق ہوئے کہ دونوں حضرات علیؓ اور معاویہؓ کو برطرف کیا جائے اور لوگ باہمی مشورہ سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنالیں۔ لہذا میں علیؓ کو اپنی طرف سے معذول کرتا ہوں اس کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے اعلان کیا جو ابو موسیٰ اشعری کے برعکس تھا کہ ابو موسیٰ نے حضرت علیؓ کو معذول کردیا اور میں بھی ان کو معذول کرتا ہوں لیکن میں حضرت معاویہؓ کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے بعد اُن کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس طرح عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ بناکر گلے لگایا اور صلح کی امیدوں پر پانی پھیر دیا جبکہ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علیؓ کو خلافت سے معذول کرکے اپنے آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ واپس جاکر شام پر پھر سے چڑھائی کی تیاریاں شروع کردیں۔ انہوں نے اس فتنہ کے زمانے میں بھی ٹھیک ٹھاک طریقے پر خلیفہ راشد کی حیثیت سے کام کیا اسی دوران خوارجوں نے فیصلہ لیا کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاص کو قتل کیا جائے کیونکہ یہ تینوں مسلمانوں میں افراتفری اور خونریزی کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاص اس سازش میں بچ نکلے جبکہ حضرت علیؓ ایک قاتلانہ حملے میں شہید کردئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کو کوفہ کے لوگوں نے اپنا خلیفہ چن لیا اسی دوران حضرت معاویہ نے عراق پر حملہ کیا۔ حضرت حسن نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج روانہ کی مگر آخر کار دونوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلیفہ نے ان کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔

جب خلافت کی لگام مکمل طور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آگئ تو خلافت کا ملوکیت کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ لوگ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں خلافت کے بجائے بادشاہی سے واسطہ پڑگیا۔ اس لئے وہ معاویہؓ کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہتے تھے۔ معاویہؓ کے خلیفہ بننے کے بعد جب سعد بن ابی وقاصؓ پہلی بار ان

سے ملے تو انہوں نے خلیفہ کو السلام علیک ایھالملک کہہ کر پکارا۔ اِدھر نبیؐ کی پیش گوئی بھی پوری ہوئی کہ میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی۔ ۳۰، سال کا یہ عرصہ اس وقت پورا ہوا جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا حضرت معاویہ کا ارادہ اس وقت ظاہر ہوگیا جب اس نے مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں نے اپنے بعد یزید کو جانشین منتخب کیا۔ اس لئے لوگوں کو مطلع کرو جب مدینہ کے لوگوں تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت حسین بن علیؓ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے جلیل القدر اصحاب نے یزید کی ولی عہدی سے صاف انکار کردیا۔ لیکن معاویہؓ نے باضابطہ یزید کی بیت کے لئے خود مہم چلانی شروع کردی اور اکثر لوگوں نے ان کے سامنے بے بس ہوکر آمنا وصدقنا کہدیا اور جنہوں نے یزید پر بیت کرنے کی مہم کو اسلامی آئین کے خلاف قرار دیا۔ انہیں دھمکیاں دے کر یزید کے ہاتھ پر زبردستی بیت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اس طرح خلافت راشدہ کے نظام اور دستور کا خاتمہ ہوگیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور خاندانی راج کا آغاز ہوگیا۔

امیر معاویہؓ کا اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیت لینا ایک سخت غلطی تھی جو شاید محبت پدری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی کیونکہ اس بیت سے مسلمانوں میں باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے کی رسم جاری ہوئی۔ جس کا اثر آج بھی دنیا کے اکثر مسلم ممالک میں موجود ہے۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ معاویہؓ نے دنیا میں اسلامی حکومت کا دائرہ بہت وسیع کردیا اور دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔

ایک تنقیدی جائزہ (A critical Analysis)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں اصحاب رسول تھے۔ حضری علیؓ اہل بیت میں شامل تھے اور حضرت معاویہ کاتب وحی تھے۔ لیکن ان کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں، انسانی عقل کا تقاضا ہے کہ یہ لڑائیاں غیر اسلامی ہیں۔ ان دو جلیل القدر صحابہ کے درمیان جو خونریز لڑائیاں ہوئیں اور عمرو بن العاص، طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہ وغیر صحابہ کی ایک معقول تعداد نے ان لڑائیوں میں حصّہ لیا۔ مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر عام لوگوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوجاتا ہے کہ اسلام میں دراصل ایسا کوئی نظام موجود نہیں ہے کہ جس سے بھائی چارہ قائم ہو اور مسلمانوں کی آپسی لڑائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان آپسی جنگ و جدال اور خونریزی سے محفوظ نہیں اور آج کل کی دنیائی لڑائیوں اور اصحاب رسول کی لڑائیوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں اور ان لڑائیوں میں حصہ لینے والوں پر نہ صحبت رسول کا کوئی اثر ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کی آپسی لڑائی اور خونریزی کی ممانعت ہے۔ لیکن بالغ النظر غور فکر کرنے والے اہل ایمان کے نزدیک صحابہ کرام کے اختلافات اس حدیث رسولؐ کے عین مطابق تھے جس میں فرمایا گیا ہے: اِختلاف اُمَّتِی رَحْمَۃٌ یعنی ''امت میں اختلاف رحمت ہے''۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو اختلافات تھے جو بعد میں خونریز تصادم میں تبدیل ہوگئے دراصل اسی اختلاف کی بنیاد پر تھے جو باعث رحمت ہوتے ہیں اور یہ اختلافات ان کے اجتہادات پر بنی تھے۔ ان سے اگر کوئی غلطی بھی ہوئی تو وہ اجتہادی غلطی تھی۔ اس لئے ان کے نیتوں پر کوئی شک نہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے جان بوجھ کر اسلام کی مخالفت کے لئے جنگ میں شرکت نہ کی۔ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا اپنے نزدیک حق سمجھ کر کیا اسی طرح حضرت معاویہؓ نے جو کچھ کیا اپنے آپ کو حق سمجھ کر کیا۔ یہی حال دوسرے صحابہ کرام کا تھا جنہوں نے اختلافات میں حصہ لیا جس نے جس کو حق پر سمجھا وہ اسی کا حامی بن گیا۔ کسی بھی صحابی نے اپنی ذاتی غرض اور مفاد کے لئے کسی فرد یا جماعت کا ساتھ نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریضہ کی سرکوبی کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کو روانہ کیا اور فرمایا کہ ان کی بستی میں پہنچ کر نماز عصر ادا کریں۔ لیکن راستے میں نماز کا وقت ہوا۔ کچھ لوگوں نے اول وقت کو ترجیح دے کر راستے میں ہی نماز ادا کی۔ جب کہ کچھ لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر نماز پڑھی۔ واپس آکر دونوں جماعتوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کا حال بیان کیا۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلوبہ مقام پر پہنچ کر نماز ادا کرنے کو فرمایا تھا تاہم آپ نے دونوں جماعتوں کی نماز کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ دونوں جماعتوں نے خلوص نیت سے نماز ادا کی

تھی۔ اسی طرح سفر کے دوران صحابہ کی ایک جماعت نے پانی نہ ملنے پر تیمم کرکے نماز پڑھی لیکن نماز ادا کرکے جب وہ آگے بڑھے تو انہیں پانی ملا۔ چونکہ نماز کا وقت ابھی باقی تھا۔ تو پانی میسر ہونے پر کچھ صحابہ نے وضو کرکے دوبارہ نماز ادا کی۔ پھر جب نبی صلى الله عليه وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے تیمم کرنے والوں کی نماز کو برقرار رکھا۔ اور پانی دستیاب ہونے پر وضو کرکے نماز پڑھنے والوں کی نماز کو بھی نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ ان کی دوبارہ نماز پڑھنے کے لئے دوہرے ثواب کی خوشخبری سنائی۔ صحابہ میں اس طرح کے اختلافات ہوا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی ایسے اختلافات کی بنا پر فرقہ واریت کو فروغ دینے کی کوشش نہ کی۔ اور نہ اختلافات کی بنیاد پر صحابہ کی کسی جماعت نے الگ مسجد تعمیر کی بلکہ مسجد ضرارہ کے نام پر منافقین کی علاحدہ تعمیر کی گئی مسجد کو آپ ؐ نے آگ لگانے کا حکم صادر فرمایا۔

ایک بار حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ جو لوگ ہماری طرف سے مارے گئے ہیں ان کا کیا ہوگا انہوں نے فرمایا وہ شہید ہیں پھر پوچھا گیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی طرف سے مارے گئے وہ کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا وہ بھی شہید ہیں۔ سوال پوچھنے والوں نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ دونوں طرف کے لوگ شہید ہوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا اسلام کی خاطر خلوص کی بنیاد پر دونوں طرف سے جو لوگ مارے گئے وہ سب شہید ہیں کیونکہ دونوں طرف کے لوگوں نے اپنی اپنی نیت کے مطابق اسلام کے تحفظ اور سربلندی کے لئے جہاد کیا۔ جوابدہی مجھ سے اور معاویہؓ سے ہوگی۔ یعنی مسلمانوں کی ان خونریز لڑائیوں کے متعلق جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ محاسبہ کرے گا وہ علیؓ اور معاویہؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی نیت کو جانتا ہے اور سزا دینے اور معاف کرنے کا اختیار بھی وہی رکھتا ہے۔ لہٰذا ان جنگوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دیا جائے اور رب العالمین کی بارگاہ میں دعا کی جائے کہ اے اللہ مسلمانوں کو باہم اختلافات اور فرقہ واریت سے نجات دے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے اختلافات اور آپسی تصادم کو اگر حکمت الٰہی کے نقطہ نگاہ سے پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ منشائے الٰہی سے ہوا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اندرونی جھگڑوں میں مصروف عمل رہی اور دوسری جماعت حکومت و سلطنت کے مسائل ومعاملات اور لڑائی جھگڑوں سے بے تعلق رہی اور صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی تھی جنھوں نے ان جھگڑوں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ کئی ایسے لوگ بھی تھے جنھونے گوشہ نشینی اختیار کی اور وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے اختلافات کے دوران اپنی تلواروں اور تیر کمانوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں آبیٹھے اور فوجی مہموں سے جدا ہو کر علم دین کے کام میں مصروف ہوگئے۔

خلافت کا خاتمہ اور ملوکیت کا آغاز

حضرت معاویہؓ ۶۰ ہجری میں ستر سال کی عمر پاکر اس جہانِ فانی سے انتقال کرگئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید باضابطہ اور باقاعدہ طور اسلامی سلطنت کا فرمانروا بن گیا اور اس کی تخت نشینی کے بعد حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسینؓ کو کوفہ کے لوگوں نے بلایا اور انہیں یزید کے خلاف برسرپیکار ہونے کے لئے اپنی حمایت کی یقین دہانی کرائی اور جب وہ کوفیوں کی یقین دہانی پر ان کو ملنے کے لئے کربلا پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اہل خانہ اور چند افراد کے سوا ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ کوفیوں کی غداری کے پیش نظر انہوں نے کربلا میں موجود یزیدی فوج سے راہ داری چاہی لیکن انہیں سرنڈر کرنے کے لئے کہا گیا جسے انہوں نے تسلیم نہ کیا آخر کار یزید کی فوج سے حضرت حسینؓ کی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں انہیں ان کے اہل خانہ کے تمام مردوں سمیت بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرکے یزید کے پاس لایا گیا۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حضرت حسین کا سر مبارک یزید کے سامنے ڈالدیا گیا۔

فرقہ بندی کا آغاز

مسلمانوں کے اختلافات کے باوجود ان میں سوائے خوارجیوں کے کوئی فرقہ وجود میں نہ آیا تھا۔ خوارجی وہ لوگ تھے جنہوں نے یہ فیصلہ لیا کہ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو قتل کیا جائے کیونکہ یہ تینوں مسلمانوں میں افراتفری اور خونریزی کے ذمہ دار ہیں۔ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اس سازش میں بچ نکلے جبکہ حضرت علیؓ خوارجیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خوارجیوں کا یہ آوارہ گروہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور مسلمانوں میں کسی نے بھی کوئی علٰحدہ فرقہ نہ بنایا تھا بلکہ سب ایک خدا، ایک دین اور ایک رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے۔ دین میں کسی نے کوئی علٰحدہ طریقہ اختیار نہ کیا تھا۔ عبادت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا سب اسی طریقہ پر عمل کرکے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جو لوگ ان کے قتل پر ماتم کر رہے تھے حضرت حسینؓ کے قتل نے اس میں اضافہ کردیا اور ان دونوں حضرات کی ہمدردی میں فرقہ شعیان علی و حسین وجود میں آگیا۔ جنہوں نے حضرت حسین کے قتل پر سینہ کوبی شروع کی جو مرثیہ حسینؓ کے نام پر آج تک اہل شیعہ میں رائج ہے اور خوارجیوں کے بعد مسلمانوں

میں پہلی بار ایک نیا فرقہ وجود میں آگیا جو امام حسینؓ کی شہادت پر ماتم کرتے ہیں اور اس ماتم کو عبادت سمجھ کر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

شعیہ فرقہ کے وجود میں آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت حسین کے وحشیانہ قتل کے بعد لوگوں میں روز بروز ان کی ہمدردی بڑھتی گئی۔

پروفیسر ہٹی (Professor Hitti) کہتے ہیں

The blood of Hussain, even more than that of his father proved to be the"
"seed of the Shia Sect

حسینؓ کا خون شیعہ فرقہ بنانے میں اپنے باپ کے خون سے زیادہ اہم ثابت ہوا۔ اگرچہ حسین علیہ السلام کے حامیوں کا خیال ہے کہ وہ یزید کی جابرانہ حکومت کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے لیکن یزید کے حامیوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے فرمانروا سے خروج اختیار کرکے بغاوت کی جس کے نتیجہ میں انہیں قتل کردیا گیا۔ اس لئے انہیں شہید قرار نہیں دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سورہ انبیا میں مسلمانوں کے اتحاد اور امت واحدہ یعنی ایک امت کا ذکر ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُم اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ٥ (النساء:۹۲)

وَتَقَطَّعُوْا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ ٥(الانبیاء:۹۳)

ترمذی کی حدیث ہے: ''حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر وہ زمانہ آئے گا کہ جس طرح بنی اسرائیل بہتر(۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں میں بٹ جائے گی اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سب کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول وہ ایک فرقہ جو نجات پائے گا کون سا فرقہ ہے۔ فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِهٖ ''یہ اس طریقہ پر چلنے والے لوگ ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔ دوسری

حدیث میں ہے کہ جو فرقہ جنت میں جائے گا وہ جماعت ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میری امت میں ایسے گروہ ظاہر ہوں گے جن میں نفسانی خواہشات اس طرح سرائیت کر جائیں گی جس طرح باولے کتے کے کاٹنے سے اس کی بیماری دوسروں کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس امر سے محفوظ رکھا کہ وہ کسی گمراہی پر متفق ہو۔ (سلسلہ احادیث صحیح شیخ البانی)

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا''۔

قرآن مجید کی ان مذکورہ آیات اور احادیث کی روشنی میں امت مسلمہ ایک واحد امت ہے جسے فرقوں میں بانٹا نہیں جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب حقیقت میں ایک امت اور ایک ہی ملت تھے دنیا میں جتنے بھی نبی آئے وہ سب ایک ہی دین لے کر آئے تھے اور وہ اصل دین یہ تھا کہ صرف ایک اللہ ہی انسان کا رب ہے اور اکیلے اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرنی چاہیئے بعد میں جتنے مذاہب پیدا ہوئے وہ اسی دین کو بگاڑ کر بنالئے گئے۔ اُس کی کوئی چیز کسی نے لی، اور کوئی دوسری چیز کسی اور نے، اور پھر ہر ایک نے ایک جز اُس کا لے کر بہت سی چیزیں اپنی طرف سے اس کے ساتھ ملا ڈالیں اس طرح یہ بے شمار ملتیں وجود میں آئیں۔ اب یہ خیال کرنا کہ فلاں نبی فلاں مذہب کا بانی تھا اور فلاں نبی نے فلاں مذہب کی بنیاد ڈالی اور انسانیت میں یہ ملتوں اور مذہبوں کا تفرقہ انبیاء کا ڈالا ہوا ہے محض ایک غلط خیال ہے۔۔ (تفہیم القرآن)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو بھی نبی آئے ان سب کا کلمہ ایک تھا لا اِلٰہ الا للہ۔ یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی عبادت کرو۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔

مذکورہ حدیث میں امتی (میری امت) سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں مگر اپنی گمراہیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالدئے جائیں گے لیکن امت رسول ہونے کے ناتے بعد میں انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور ان میں سے جو کافر قرار پائیں گے انہیں دوزخ میں ہی رکھ دیا جائے گا۔

جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر صحیح ایمان رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کی اتباع کرتے ہیں اور صراط مستقیم (راہ راست) یعنی اللہ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔ ان کو جماعت اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ یہ لوگ کلمہ حق پر جمع اور متفق ہیں۔

گمراہ فرقوں کو باولے کتوں سے اس مناسبت سے تشبیہہ دی گئی ہے کہ باولے کُتے کو جب ریبیز (Rabies) کی بیماری لگ جاتی ہے تو وہ پانی سے ڈر کر سخت سے سخت پیاس میں بھی پانی نہیں پیتا ہے۔یہاں تک کہ وہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح گمراہ فرقے کے

لوگوں پر خواہشات نفس غالب آجاتی ہیں اور وہ حق جاننے اور پہچاننے سے ڈرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صراط مستقیم سے یہ لوگ دور ہوجاتے ہیں اور گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹک کر ہلاک ہوجاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ جلد ہی مسلمانوں میں اختلاف دیکھے گا پس تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ میرے اسوہ اور خلفائے راشدین کے طور طریق کو مضبوطی سے پکڑنا دین میں پیدا کی جانی والی نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ نئی بات دراصل بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔ (ابوداوٗد)

اسلام کا بٹوارہ

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانہ یعنی صحابہؓ کے بعد ہر دور میں مسلمانوں کے درمیان ایسے فرقے اور ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اپنی کجروی سے اسلام کی اصل تعلیمات سے منحرف ہوئے اور خواہشات نفس کا شکار ہوکر طرح طرح کے گمراہ کن نظریات اور خیالات سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان گمراہ کن مسلم فرقوں کے خیالات اور نظریات کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا ہے تو بہت سارے باطل اور گمراہ کن فرقے سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ ان میں سے چند فرقوں کا مختصر تبصرہ حسب ذیل ہے:

۱۔ خوارج یا خارجی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند سال کی مدت تک امت مسلمہ ایک واحد جماعت کی صورت میں اسلامی خدمات انجام دینے میں سرگرم عمل تھی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران خارجی فرقہ وجود میں آگیا۔ اس فرقہ کے لوگ حضرت علی کے باغی تھے اور خلافت علیؓ سے خروج کر بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ اس فرقے کے نزدیک حضرت علی اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابہؓ واجب القتل تھے۔ یہ اسلام میں پہلا فرقہ ہے اور اسی کے ہاتھوں حضرت علیؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔

۲۔ معتزلہ:

اس فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بندے اپنے اعمال کے خود ہی خالق ہیں اور خود ان کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا ان کے اعمال سے کچھ تعلق نہیں اور اس کی قدرت کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ یہ لوگ اللہ کے دیدار کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مخلوق ہے اور کہتے ہیں کہ عقل والے وحی کے بغیر بھی توحید پر ایمان لاسکتے ہیں۔

۳۔ مُرجئہ:

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح کفر کی حالت میں نیک کام کوئی نفع نہیں پہنچاتا اسی طرح ایمان کی حالت میں گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا گویا ان کے عقیدہ کے مطابق جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان قبول کرلیا وہ اگر ساری عمر گناہ کرتا رہے تو وہ دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔

۴۔ بخاریہ:

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے صفتوں سے انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا کہ کلام الٰہی اسی طرح مخلوق ہے، جس طرح اور دوسری مخلوقات ہیں۔

۵۔ جبریہ:

اس فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بندہ محض مجبور ہے وہ عمل میں ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا۔

۶۔ مُشَبَّہ:

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں اور اسے مخلوق کی طرح جسم والا سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ موجود ہے اور ہر موجود کا جسم ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بھی جسم رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جسم میں حلول کر سکتا ہے۔

۷۔ شیعہ:

اس فرقہ کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کو خلافت کا حقدار اور امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبیؐ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ان میں سے اکثر چند صحابہ کو چھوڑ کر باقی سب صحابہؓ کو کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کو مافوق البشر (بشریت سے برتر) اور معصوم عن الخطا (گناہوں سے پاک) قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ امامت ہمیشہ ان کی نسل میں رہے گی دوسرا کوئی خاندان اس کا حقدار نہیں اور انہیں حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی سمجھتے ہیں جو نبیؐ کو مدد کرتے تھے۔

۸۔ قادیانی:

اس فرقے کی بنیاد مرزا غلام احمد قادیانی نے ڈالی اس فرقہ کے لوگوں کو مرزائی بھی کہتے ہیں اس کے لوگ غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور یہ فرقہ غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ بہوریہ:

یہ شیعہ فرقہ کی ایک نئی شاخ ہے۔ اس کو اہل شیعہ کے ایک امام برہان الدین نے اپنے دادا نجم الدین کے نام سے قائم کیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نجم (ستارے) کی جو قسم کھائی ہے وہ نجم کوئی ستارہ نہیں بلکہ میرا دادا نجم الدین جو دین کا ستارہ ہے۔ اس فرقے کے مرد خاص قسم کی ٹوپیاں پہنتے ہیں اور ان کی عورتیں رنگ برنگی لباس پہنتی ہیں۔ یہ لوگ حضرت امام حسین پر مرثیہ کرنا عبادت سمجھتے ہیں اور صرف تین وقت نماز فجر، ظہر اور مغرب پڑھتے ہیں۔ جمعہ نماز کے قائل نہیں ہیں اور زنجیروں کے بجائے ہاتھوں سے سینہ کوبی کرکے مرثیہ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

۱۰۔ اہل اعزا:

یہ بھی اہل شیعہ کا ایک فرقہ ہے جو صرف امام حسین کی شہادت پر ماتم کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ نماز اور دیگر احکام دین سے یہ لوگ غافل ہیں۔

۱۱۔ اہل اللہ:

سنیوں کا ایک فرقہ ہے اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو اللہ والے، بزرگان دین، خدا کے چہیتے، خدا رسیدہ اور خدا شناس یعنی خدا کو پہچاننے والے کہتے ہیں۔ یہ نظام دین سے لاتعلق ہیں۔

۱۲۔ اہل عرفان:

انہیں اہل معرفت بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ خدا پرست ہونے اور تقویٰ اور خدا کی محبت و معرفت رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انہیں حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اس لئے انہیں عملی طور عبادت کرنے کی ضرورت نہیں اور خدا سے محبت رکھنے کو ہی یہ مکمل دین سمجھتے ہیں۔

۱۳۔ باطنی فرقہ:

یہ شیعیوں کا ایک فرقہ ہے۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ ان کا دل صاف ہے اور یہ اپنے آپ کو صاحب کشف و کرامات کہتے ہیں۔ یعنی ان کا خیال ہے کہ یہ بارگاہ الٰہی کے رازوں سے واقف ہیں۔ اس لئے لوگوں کو غیب کی خبریں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور عملی عبادت کے قائل نہیں ہیں۔

۱۴۔ اہل طریقت:

اس فرقہ کے لوگ تصوف سے تعلق رکھتے ہیں اور صوفی کہلاتے ہیں۔ تصوف کی بنیاد پر یہ لوگ متقی اور خدا کے قریب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اجتماعی عبادت کے بجائے انفرادی عبادت کے قائل ہیں۔

۱۵۔ رسول شاہی:

یہ آزاد فقیروں کا ایک فرقہ ہے جو رسول شاہ نامی ایک درویش کے نام پر وجود میں آگیا۔ یہ لوگ چار اَبرو کا صفایا کرتےہیں۔ یعنی سر، بھوئیں (Eyebrows) مونچھیں اور دھاڑی منڈوا دیتے ہیں۔ لنگوٹی باندھتے ہیں اور شراب کو حلال سمجھتے ہیں۔ یہ شریعت کے پابند نہیں ہیں۔ صرف خدا کے نام پر فقیرانہ زندگی گزارنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۶۔ بریلوی:

یہ فرقہ دیوبندی مدرسہ کے رد عمل کی پیداوار ہے۔ احمد رضا خان نے اسے شروع کیا وہ بریلوی کے رہنے والے تھے۔ اس لئے اس فرقہ کے لوگ بریلوی کہلاتے ہیں اور یہ احمد رضا خان کو اپنا امام اور مرشد مانتے ہیں۔ اسے حضرت جی یا اعلیٰ حضرت کے نام سے پکارتے ہیں۔ اپنے آپ کو عاشق رسول کہتے ہیں۔ ائیمہ اربعہ یعنی چار اماموں اور ان کے مسلکوں کو مانتے ہیں لیکن اپنے مرشد کی پیروی میں انہوں نے شرک و بدعات پر مبنی ایک نیا فرقہ قائم کیا ہے اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ محافظ شریعت اسلامی اور دیوبند و ندوہ میں قائم مدرسوں کے خلاف اپنی خود ساختہ بدعتی تحریک زور و شور سے چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ قبروں اور درگاہوں پر جاکر ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اور یہ سبز رنگ کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔ احمد رضا خان کو اللہ کا نور سمجھتے ہیں۔ آستانوں، زیارت گاہوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنا ان کے دینی فرائض میں شامل ہے۔

۱۷۔ اسماعیلی فرقہ:

شیعوں کا ایک فرقہ جو امام جعفر صادق کے بعد اسماعیل کو ساتواں امام مانتا ہے وہ باپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس فرقے میں امام کے بجائے نائبوں اور داعیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔یہ لوگ آہستہ آہستہ اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔

۱۸۔ کراماتی فرقہ:

شیعوں کا ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے مخالفین کا خون بہانا جائز ہے چاہئے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔یہ لوگ رفتہ رفتہ اسلام کے بنیادی احکام اور اصولوں سے دور ہوگئے۔یہاں تک کہ انہوں نے ۹۳۰ہجری میں کعبہ پر حملہ کرکے وہاں سے حجرہ اسود کو اٹھاکربیس(۲۰) سال تک غائب کررکھا۔ پھر فاطمی خلیفہ منصورؔ نے اسے دوبارہ کعبہ میں نسب کیا۔

۱۹۔ حشاشین:

یہ اسماعیلیوں کا ہی ایک فرقہ ہے جنہوں نے اپنی ایک ریاست بنائی تھی یہ لوگ قتل غارت اور ظلم و ستم میں ملوس تھے اور اسلامی حکومت میں فتنوں اور سازشوں کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سلجوت سلطنت کے ایک نامور وزیر نظام الملک طوسی کو قتل کردیا۔

۲۰۔ نصیری فرقہ:

یہ لوگ حضرت علیؓ کو اللہ کا اوتار (incarnation) مانتے ہیں یہ شیعوں کا ایک گروہ ہے۔ ان کو علوی بھی کہتے ہیں۔یہ لوگ گرج (Thunder) کو علی کی تلوار اور چمک (Lightining) کو اس کی مسکراہٹ سمجھتے ہیں۔ اس لئے گرج چمک کے وقت حضرت علی پر درود پڑھتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ ملحد قرار دئے گئے ہیں۔

۲۱۔ غرابیہ:

یہ غلو کرنے والا شیعوں کا ایک فرقہ ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبریل نے وحی لانے میں خیانت کی کہ انہوں نے حضرت علی کے بجائے محمدؐ کی طرف وحی لائی۔

۲۲۔ اثنائے عشرہ: (Twelvers)

اس فرقہ کو شیعوں میں اکثریت حاصل ہے۔یہ بارہ اماموں کے پیروکار ہیں۔ حضرت علیؓ کو پہلا اور امام محمد المنتظر کو آخری امام مانتے ہیں۔ جو مسجد سمارٔع کے غار میں ان کے عقیدے کے مطابق چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہیں امام غیب بھی کہا جاتا ہے اسی امام غیب کو یہ لوگ امام مہدی کہتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ یہ اس غار سے نکل کر پوری دنیا کو فتح کرلیں گے۔

۲۳۔ زیدی فرقہ:

یہ شیعوں کا ایک معتدل فرقہ ہے جو سنی عقیدہ کے سب سے نزدیک ہے یہ لوگ امام الغیب کو نہیں مانتے ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کے بجائے حضرت علیؓ کو نبی اکرمؐ کا جانشین اور خلیفہ مانتے ہیں۔

۲۴۔ اباضیہ:

یہ خارجہ فرقہ کی ایک شاخ ہے جو 1658ء میں عراق میں نمودار ہوا۔ اس کا بانی عبدللہ بن اباض ہے۔ بنی امیہ کے دور میں جب انہیں عراق سے نکال دیا گیا تو عمان میں سکونت اختیار کی جو ان کی مذہبی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس فرقہ کے لوگ قرآن کو مخلوق سمجھتے ہیں۔یہ لوگ شیعیوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں لیکن سلام پھیرتے ہیں۔ احادیث کے منکر ہیں۔ اپنے سوا سب مسلمانوں کو غلط سمجھتے ہیں۔یہ مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن صحیح الایمان مسلمان نہیں مانے جاتے ہیں۔

۲۵۔دروزی فرقہ:

اس فرقہ کا بانی اسماعیل الدروز ہے جس نے دسویں صدی ہجری میں اسے مصر میں قائم کیا۔یہود کی طرح ان کی جماعت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔یہ لوگ تقیہ کرتے ہیں۔ یعنی اپنے ایمان اور عقائد کو چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولنا حکمتاً جائز سمجھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تو مانتے ہیں۔ لیکن ساتھ میں حضرت علیؓ کو بھی نبی مانتے ہیں۔

۲۶۔ بکتاشی فرقہ:

یہ شیعیوں کا ایک فرقہ ہے۔ ایران میں بکتاشی نامی ایک شخص نے اسے شروع کیا۔ اس فرقہ کے لوگوں کا عقیدہ عیسائیت سے ملتا جلتا ہے۔ عیسائیوں کی طرح یہ لوگ مسئلہ تثلیث (Theory of Trinity) پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ نعوذ باللہ دونوں اللہ کی قدرت میں شامل ہیں۔ شراب کو حلال سمجھتے ہیں اور صرف دو وقت نماز فجر اور مغرب پڑھتے ہیں۔

۲۷۔ رافضی:

شیعیوں کا ایک گروہ ہے جو خلفاءِ راشدین میں سے صرف حضرت علیؓ کو مانتے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو خلافت کے حقدار نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان پر سب و شتم (گالی گلوچ)

کرتے ہیں۔ یہ گروہ زید بن علی حسین کے زمانے میں وجود میں آگیا۔ جب شیعیوں کی ایک جماعت نے زید بن علی سے کہا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو برا بلا کہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ سے خلافت کا حق چھین لیا۔ تو جب زید نے انکار کیا تو انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ رفض کا معنیٰ چھوڑ دینا۔ چونکہ انہوں نے زید کو چھوڑ دیا اس لئے ان کا نام رافضی یعنی قیادت کو چھوڑ دینے والے پڑا۔

۲۸۔ ناصبی:

اس فرقہ کے لوگ یزید بن معاویہؓ کو امیر المؤمنین مانتے ہیں اور حضرت حسینؓ کو مملکت اسلام کا باغی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امیر المؤمنین یزید بن معاویہؓ کے خلاف بغاوت کی اور میدان کربلا میں قتل ہوئے۔ اس لئے یہ لوگ انہیں شہید قرار نہیں دیتے ہیں۔ ناصبیوں میں سب سے بڑا نام مروان بن الحکم کا ہے جو حضرت علیؓ کو برا بلا کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بغیر بنی امیہ کے سب حکمران ناصبی سمجھے جاتے تھے۔ موازنت میں رافضی اور ناصبی دو انتہاؤں پر ہیں۔ ناصبی اہل بیعت کی تنقید کر کے ان کی توہین کرتے ہیں جبکہ رافضی ان کی حمایت میں غلو کرتے ہیں۔

۲۹۔ بہاویہ فرقہ:

حسین علی نوری نے اس فرقہ کو قائم کیا۔ اس کا عرف بہاوللہ تھا۔ اس لئے اس فرقے کو بہاویت کہتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ کعبہ کو قبلہ نہیں مانتے ہیں اور یہ نماز باجماعت کے قائل نہیں۔ خنزیر (Pig) کے گوشت کو یہ حلال سمجھتے ہیں۔ اپنے مرشد بہاوللہ کی قبر کی طرف رُخ کر کے یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور لعبہ کو قبلہ نہیں مانتے ہیں۔ جنت اور جہنم کے وجود کے منکر ہیں اور کہتے ہیں خدا کی معرفت جنت ہے اور خدا کی ناراضگی جہنم ہے۔ 2مارچ سے 20مارچ تک 19دن کے روزے رکھتے ہیں اور 21مارچ کو عید مناتے ہیں۔ یہ لوگ ایران سے ہندوستان منتقل ہوئے۔ پاکستان میں بہاولپور کورٹ نے انہیں کافر قرار دیا ہے۔

۳۰۔ جماعت المسلمین:

1385ء میں پاکستان میں مسعود احمد P. S. C.نامی شخص نے اس فرقے کی بنیاد ڈالی۔ اس لئے اس تحریک کو مسعودی فرقہ بھی کہتے ہیں۔ یہ اہل حدیث کی ہی ایک نئی شاخ اور ذیلی وجود (offshoot) ہے۔ اس فرقہ کے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کی سورۃ الحج کی اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں سے فرمایا گیا ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ''اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہوجاؤ۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔'' اس لئے اس فرقہ کے لوگوں نے اپنی

جماعت کا نام جماعتُ المسلمین رکھا ہے۔ یہ لوگ اپنی جماعت سے باہر مسلمانوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اپنی جماعت سے باہر نکاح نہیں کرتے ہیں اور نہ کسی کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں۔ یہ لوگ چار امام۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ اور ان کے چار مسلکوں کی تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔

فرقوں میں اضافہ

فرقہ واریت کے جنون میں کچھ لوگوں نے اسلام کا بٹوارہ کیا۔ انہوں نے توحید کے نام پر مسجدوں کو علٰحدہ کیا اور اس طرح فرقہ واریت کو فروغ دیا۔ ایسے ہی چند فرقوں کی مثال حسب ذیل ہے۔

۱۔ جمعیت اہل حدیث:

اس تحریک کے بانی مولانا ثنا اللہ امرتسری ہیں۔ یہ تحریک ۱۹۰۶ء میں شرک وبدعات کے خلاف شروع کردی گئی لیکن شرک و بدعات میں ملوث لوگوں کے فرقوں سے لڑتے ہوئے یہ خود ایک فرقے کی صورت اختیار کرگئی۔ یہ احادیث کی مکمل پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ یہ غیر مقلد ہیں اور ائمہ اربعہ یعنی چار امام، امام ابو حنیفہؒ، امام حنبلؒ، امام شافعیؒ اور امام مالک کے چار مسلکوں میں سے کسی بھی مسلک کی تقلید نہیں کرتے ہیں حالانکہ ان چاروں اماموں کے مقلدین دنیا بھر میں موجود ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھا نہیں جاسکتا ہے اور کُتب احادیث میں یہ لوگ بخاری شریف کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کتاب احادیث کی کتابوں میں مُستند کتاب ہے۔ جمعیت اہل حدیث کے نام پر ان کی مسجدیں الگ ہیں اور یہ اپنے فرقے کی مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک رفع ایدین (ہاتھوں کا اوپر اٹھانا) اور آمین بالجہر (بلند آواز سے آمین کہنا) نماز کا صحیح طریقہ ہے۔ یہ ملک کی سیاست میں دخل دینا ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور خلافت کے بعد ملوکیت کو صحیح مانتے ہیں۔

۲۔ اہل قرآن:

اس فرقہ کے لوگ حدیث و فقہ کو مسترد کرکے صرف احکام قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے نزدیک اللہ کی کتاب قرآن مجید ہدایت کے لئے کافی ہے اور یہ وہ مضبوط رسی ہے جسے پکڑنے کا قرآن میں حکم ہے۔ (وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا) اس لئے قرآن کے بغیر کسی اور کتاب پر اعتماد رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ قرآن کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں یعنی اس پر عمل کرتے ہیں۔ وہ فرقوں میں نہیں بٹ جاتے ہیں اور نہ انہیں کسی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔ اس وجہ

سے یہ لوگ منکرین حدیث کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن سمجھنے کے لئے قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔
وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ۔ بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

اہل قرآن اور اہل حدیث دونوں فرقے دین کے معاملے میں دو انتہاؤں (extremities) پر ہیں۔ ایک فرقہ صرف احکام قرآن پر عمل کرنے کے لئے زور دیتا ہے اور قرآن کے بغیر کسی اور کتاب کو ہدایت کا ذریعہ نہیں مانتا ہے اور دوسرے فرقہ کے نزدیک احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اسے وہی سمجھا سکتے ہیں جن پر یہ نازل ہوا ہے۔

درحقیقت قرآن اللہ کی کتاب ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فہم و شعور عطا کیا ہے وہ اگر احادیث کے تعاون کے بغیر قرآن پڑھ سکتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جن لوگوں کو قرآن کے احکام سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے وہ احادیث سے مدد لے کر قرآن کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ان کو بھی روکا نہیں جاسکتا ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں قرآن پڑھنا اور اس پر عمل کرنا صحیح ہے۔ بشرطیکہ پڑھنے والا خلوص نیت سے پڑھے اور اس پر عمل کرے۔ (واللہ اعلم)

۳۔ حنفی: یہ سنی مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو ابو حنیفہؒ کی پیرو ہے حنیف کا معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا ماننے والا پکا اور سچا مسلمان۔ حضرت ابو حنیفہؒ امام اعظم کے نام سے مشہور ہیں اور دنیا میں ان کے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ لیکن برصغیر میں ان کی پیروی کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد شرک و بدعات کے مرض میں بتلا ہوگئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو امام اعظم کے مسلک سے منسوب کرکے درگاہوں، خانقاہوں اور زیارت گاہوں کی خدمت انجام دینے کا پیشہ اختیار کیا اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی اکثریت کو شرک و بدعات کے میدان میں دھکیل دیا اور حنفی مسلک کی امیج (iamge) خراب کردی۔ البتہ اس مسلک سے تعلق رکھنے والے ایسے بھی لوگ ہیں جن کے سینوں میں توحید کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ اقامت دین کے علمبردار ہیں۔

الجماعت کی حقیقت

اہل شریعت: جو احکام اور قوانین اللہ تعالیٰ نے بندوں کے واسطے مقرر فرمائے ہیں شریعت کہلاتی ہے اور اس شریعت پر چلنے والوں کو اہل شریعت کہتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن و سنت کی روشنی میں صحابہ کرام کے نقش وقدم پر زندگی گزارتے ہیں اور ان کے طرز عمل پر خدا کی بندگی اور عبادت کرتے ہیں۔ یہ نہ خود کوئی فرقہ ہیں اور نہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خلافت راشدہ کی مُتعین کردہ شریعت کے عمل پیرا ہیں۔ اور اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جس کے متعلق اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اس حیثیت سے اہل شریعت کو ''الجماعت والسنت'' کا اعزاز حاصل ہے اور اس کی قیادت اور رہنمائی میں مختلف جماعتیں اور تنظیمیں اسلام کی اشاعت و تشہیر کے لئے مختلف طریقوں اور حکمت عملی سے کام کررہی ہیں۔ یہ جماعتیں اور تنظیمیں فرقوں کی نمائندگی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ''الجماعت والسندت'' کے اسلامی مشن کی نمائندگی کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں اور فرمان الٰہی وَ عۡتَصِمُوۡ بِحَبۡ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا وَلَا تفَرَقُوۡ۔ (اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں مت بٹو) پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔ 'الجماعت' کی ان ذیلی جماعتوں یا تنظیموں میں کوئی بھی جماعت یا تنظیم فرقہ واریت میں ملوث نہیں ہے بلکہ یہ سب شریعت الٰہی کے لئے کام کررہی ہیں اور ان میں سے کوئی اپنی جماعت کے نام پر علٰحدہ مسجد کے قائل نہیں ہے اور ہر کوئی جماعت قرآن پاک کے ان احکام کی ترجمانی کررہی ہے۔

وَلۡتَکُن مِّنکُمۡ أُمَّۃٌ یَدۡعُونَ إِلَی الۡخَیۡرِ وَیَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَیَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنکَرِۚ وَأُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُونَ ۝ وَلَا تَکُونُوا کَالَّذِینَ تَفَرَّقُوا وَاخۡتَلَفُوا مِن بَعۡدِ مَا جَاءَهُمُ الۡبَیِّنَاتُۚ وَأُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیمٌ ۝ (آل عمران:۱۰۵، ۱۰۶)

وَمَا کَانَ الۡمُؤۡمِنُونَ لِیَنفِرُوا کَآفَّةًۚ فَلَوۡلَا نَفَرَ مِن کُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوا فِي الدِّینِ وَلِیُنذِرُوا قَوۡمَهُمۡ إِذَا رَجَعُوا إِلَیۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَحۡذَرُونَ ۝ (سورہ توبہ:۱۲۲)

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں 'الجماعت والسنت' کی جو ذیلی تنظیمیں اور جماعتیں دین اسلام کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ان میں سے چند جماعتوں کا صحت مند تنقید کے ساتھ تذکرہ حسب ذیل ہے:

۱۔ جماعت اسلامی: اس جماعت کے بانی مولانا سیّد ابو العلیٰ مودودیؒ ہیں۔ یہ جماعت ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کو قائم کرنے کے لئے برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے بیشتر علمائے کرام نے بھرپور حمایت کی اگرچہ بعد میں ان میں سے کئی لوگوں نے راہ فرار اختیار کرلیا۔ یہ جماعت اخوان المسلمون کی ہم خیال مانی جاتی ہے۔ دونوں کا دستور اور آئین ایک ہے۔ دونوں اسلامی نظام کے قائل ہیں اور صحابہ کی زندگی کے رول ماڈل (Role model) ہیں۔ کیونکہ ان کی خامیوں کے باوجود انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے صحابہ کے بعد کسی اور جماعت نے نہیں دیئے۔ اس جماعت کا نظریہ اقامت دین اور نظام شریعت ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ جماعت سیاست میں حصہ لیتی ہے۔ زیادہ تر تعلیم یافتہ لوگ خاص طور نوجوان اس میں شامل ہیں اور شامل ہورہے ہیں۔ یہ جماعت نظم و نسق کی زبردست پابند ہے اور اس کے کارکن محنتی، دیانت دار، ایمان دار، عبادت گزار، اطاعت گزار اور اپنی جماعت کے وفادار مانے جاتے ہیں۔ جماعت سے اتفاق رکھنے والا متفق کہلاتا ہے جو اچھی کارکردگی کی بنیاد پر جماعت کا رکن بن جاتا ہے۔ یہ جماعت برصغیر ہندوپاک معہ بنگلہ دیش میں مستحکم بنیادوں پر کام کررہی ہے۔ تعلیمی میدان میں بھی اس جماعت کی اچھی کارکردگی ہے۔ اس کے زیر انتظام بہت سارے سکول اور کالج کام کررہے ہیں جہاں طلبا اسلامی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

اس جماعت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور سیاست میں مداخلت کرنے کے پیش نظر مختلف فرقوں اور جماعتوں نے اس کی مخالفت شروع کردی لیکن یہ جمات کسی فرقے یا جماعت کی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ اس جماعت پر خاص تنقیدیہ ہے کہ یہ لوگ سیکولر (Secular) لادین آئین کے اندر اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے الیکشن میں حصہ لیتے ہیں جو ایک لاحاصل عمل ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مولانا مودودیؒ کا تصور Theodemocracy یعنی شرعی جمہوریت ہے۔ اس لئے جہاں اسلامی جمہوریت کی ریاست قائم ہو وہاں الیکشن لڑنا جائز ہے تاکہ ایلکشن کے ذریعے اسلامی حکومت قائم کی جاسکے۔یہی وجہ ہے کہ جو ملک اسلامی جمہوریہ (Islamic republic) ہو وہاں کی جماعت اسلامی شریعت نہ ہونے کے باوجود الیکشن میں حصّہ لیتی ہے تاکہ الیکشن میں جیت حاصل کرنے کے بعد اسلامی حکومت قائم کردی جائے اس کے برعکس جس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت نہ ہو اور جو اسلامی جمہوری (Islamic Republic) نہ ہو وہاں جماعت اسلامی الیکشن میں حصّہ نہیں لیتی ہے۔ جماعت اسلامی کے منشور کے متعلق جماعت کے بانی مولانا مودودی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ جماعت اسلامی کا منشور یہ ہے کہ ایسی اسلامی ریاست قائم کی جائے جو خلافت راشدہ کی نمونہ ہو اور جسے لوگ منتخب کریں۔

۲۔ تبلیغی جماعت: یہ ایک دینی اصلاحی جماعت ہے اور تبلیغ دین انکا مشن ہے۔ مولانا الیاس اس جماعت کے بانی ہیں۔ اس جماعت کے اکثر لوگ تبلیغ دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں اور تبلیغ کے لئے دور دراز علاقوں اور ملکوں میں جاتے ہیں۔ یہ پرہیزگاروں اور متقیوں کی جماعت ہے۔ دین کے بارے میں بحث مباحثوں میں نہیں الجھتے ہیں۔ نماز، ذکر و اذکار اور وظائف ان کا سرمایہ ہے۔ یہ لوگ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی مزاج میں یہ لوگ نرم اور کام میں بڑے مضبوط ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ مہینوں کے سفر پر جاکر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ تناؤ اور ٹکراؤ کے بغیر دین کو پھیلانا چاہتے ہیں لیکن ان کی اس پالیسی پر اس وجہ سے تنقید لی جارہی ہے کہ باطل سے ٹکرانے کے بغیر اسلام کی تبلیغ و اشاعت ناممکن ہے۔ ان کے تبلیغی مشن لی بھی تنقید ہورہی ہے اور ان کے مشن کو خلاف سنت قرار دیا گیا ہے کہ اس طرح کے تبلیغی جماعت کا وجود نبیؐ کے دور رسالت میں ثابت نہیں ہے بلکہ اس دوران جو بھی کوئی جماعت کسی بستی لی طرف روانہ کی جاتی تھی و وہ ان لوگوں کو دین سکھاتی تھی جو نو مسلم ہوتے تھے باقی جو دنیا میں دین اسلام پھیل گیا اسے مسلمانوں کے لشکر نے فتوحات کے ذریعے پھیلایا وہ جس بستی یا ملک کو فتح کرلیتے تھے اس کے لوگ اسلام سمجھنے کے بعد ایمان لاتے تھے اور فوج درفوج اسلام قبول کرتے تھے۔ جیسا لہ تاریخ اسلام سے ثابت ہے جس طرح اہل حدیث کی تبلیغ کی بنیاد بخاری شریف کے احادیث پر ہے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے تبلیغ کی بنیاد فضائل اعمال تبلیغی نصاب اور منتخب احادیث پر ہے۔ چونکہ اس طرح کا عمل خلاف شریعت مانا جاتا ہے۔ اس لئے اس جماعت کے لوگ تنقید کے شکار ہورہے ہیں۔

۳۔ دیوبندی جماعت: دیوبند میں ایک مشہور و معروف ادارہ قائم ہے جو دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔یہ ادارہ ۱۸۶۷ء میں قائم ہوا ہے جو طلبا اس ادارے میں تعلیم حاصل کرکے فارغ ہوتے ہیں ان کو دیوبندی علما کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ برصغیر ہندوپاک میں دیوبندی علماء کی ایک بہت بڑی تنظیم کام کررہی ہے۔ اس تنظیم کا تعلق حنفی مسلک سے ہے۔یہ تنظیم توحید پر یقین رکھتی ہے۔ اسلامی تعلیم کے میدان میں اس کا نمایاں رول ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلباء ان کے مدرسوں سے تعلیم حاصل کرکے اسلام کے نشر واشاعت اور وعظ و تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ دیوبندی کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ یہ ''الجماعت والسنت'' کی ایک ذیلی تنظیم یا جماعت ہے جو دینی خدمات انجام دے رہی ہے اور ان کی کوئی الگ مسجد نہیں ہے ہر کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے قائل ہیں۔

۴۔ ندوی جماعت: دیوبند کی طرح ندوہ میں ایک مدرسہ ہے جہاں ہزاروں بچے اسلامی تعلیم حاصل کر رہے ہیں جو طالب علم اس مدرسے سے فارغ ہوجاتا ہے وہ ندوی کہلاتا ہے۔ اس ادارے کا مشن بھی تعلیم القرآن اور اشاعت اسلام ہے۔یہ بھی زیادہ تر حنفی مسلک سے ہم آہنگ ہے اور ان کا کوئی الگ فرقہ نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جو ''الجماعت والسنت'' کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو اسلام کے لئے کام کررہی ہے اس تنظیم کے پیرو بھی ہر مسجد کو اپنی مسجد سمجھتے ہیں اور شرک و بدعات کے خلاف ہیں۔ دنیائی تعلیم (Modern Education) پر دینی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں۔

۵۔ اخوان المسلمون: ۱۹۲۸ء میں ایک ۲۲ سالہ نوجوان حسن البنا شہید نے مصر میں اس تحریک کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۳۲ء میں یہ ایک بڑی تنظیم بن چکی تھی۔ مذہب اور خلافت کو یکجا کرنا اور نفاذ شریعت اس تحریک کا مقصد عظیم ہے۔ اخوات المسلمین اس کا شعبہ خواتین ہے۔یہ ایک مکمل نظام زندگی کی تحریک ہے۔ اس لئے عملی سیاست میں حصّہ لے کر اسلامی نظام کا مطالبہ کیا لیکن مصر کی سیکولر حکومت جو مغربی سیکولر قوتوں کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ اس کے خلاف ہوگئی اور ۱۹۵۴ء میں اس تحریک کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور سیّد قطب جو اس وقت اس تنظیم کے سربراہ تھے نظر بند کردئے گئے اور کرنل ناصر کو قتل کرنے کے الزام میں ان کو ان کے دو ساتھیوں سمیت پھانسی دے دی گئی۔

۲۰۱۲ء میں اس جماعت کو دوبارہ کامیابی حاصل ہوئی اور محمد مرسی صدر منتخب ہوئے۔ لیکن ان کو قید کردیا گیا اور ان کی وفات جیل میں ہوئی اس طرح محب اسلام دین پسند جماعت کی شمع توحید کو نام نہاد مسلمانوں نے اپنی شرارت کی پھونکوں سے بجھا دیا۔

بد قسمتی سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور نئے نئے فرقے وجود میں آرہے ہیں اور ان مختلف فرقوں کی بھرمار میں اہل حق کا پہچان کرنا مشکل نظر آرہا ہے۔ عام لوگوں کو خاص طور جو دین سے ناواقف ہوتے ہیں۔ کثیر التعداد فرقوں کے درمیان حق و ناحق کے امتیاز کرنے میں بڑی دقعت پیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اس کو جب اہل اسلام میں مختلف فرقے نظر آتے ہیں تو وہ حیران ہوجاتا ہے کہ وہ کون سا اسلام قبول کرے۔ کس فرقے کو حق مانےاور کس کو باطل سمجھے۔ حالانکہ ہر کوئی فرقہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی شہادت پیش کرتا ہے لیکن اسلام میں مختلف فرقوں کی موجودگی غیر مسلموں کو اسلام کے نزدیک آنے سے روک لیتی ہے۔

ہندوستان جب انگریزوں سے آزاد ہوا تو انہوں نے اپنے ملک کا آئین (Constitution) مرتب کیا۔ جس میں ڈاکٹر ابید کر نے نمایاں رول ادا کیا کہا جاتا ہے کہ ہندوں میں چھوت چھات کی وجہ سے تنگ آکر انہوں نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ وہ کس فرقے کا اسلام قبول کرے تو انہوں نے حیران ہوکر پوچھا کہ کیا اسلام میں بھی فرقے ہیں اور حقیقت معلوم ہونے پر انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ہی چھوڑ دیا۔ اگر اسلام میں فرقہ بندی نہ ہوتی تو دنیا میں اسلام کا غلبہ ہوتا مگر فرقہ واریت نے اسے جو نقصان پہنچایا وہ ناقابل تلافی ہے۔

مسلمانوں پر اللہ کا حکم ہے۔ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡ۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔

یعنی سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر رہو اور فساد پھیلا کر دین کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے (اے نبی) یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا۔'' (سورہ انعام) مسلکی اور نظریاتی مقابلہ آرائیوں کا عمل مسلمانوں کے لئے اجتہاد کے بجائے فساد بن جاتا ہے۔ نبیؐ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے وہی نماز پڑھی جو ہم پڑھتے ہیں اور اسی قبلہ کو قبول کیا جو ہم نے قبول کیا اور ہمارے ذبیح کو کھایا وہی مسلمان ہے''۔ مگر اہل ایمان اس حدیث رسول کو نظر انداز کرکے انتشار اور فرقہ بندی کے شکار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ عالمی سطح پر اس فرقہ بندی کے بت کو توڑنے کے لئے کچھ مخلص دین پسند لوگ کوشش کرتے ہیں مگر خارجی مداخلت، اندرونی انتشار، شخصی انانیت، فروعی اختلافات اور علم و حکمت کی کمی کی وجہ سے یہ کوششیں بارآور نہیں ہو سکتی ہیں۔ بقول مولانا حالیؔ

بڑا وقت بیڑے پر آنے کو ہے

نہ چھوڑے گا سوتوں کو نہ جاگتے کو

بچوگے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے

اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

موجودہ دور میں مسلمانوں کی اتحاد و اتفاق کی حالت مایوس کن اور تشویشناک ہے۔ ایک غیر محسوس طریقے پر فرقہ بندیاں حدود سے تجاوز کرکے اب تکفیر، تنقیص اور تذلیل کی حد پار کر چکی ہیں۔ اگر فرقہ پرستی کی اس بیماری کا بروقت علاج نہ کیا گیا تو یہ وبائی شکل اختیار کرکے ایک بہت بڑا خلیج پیدا کرکے ملت اسلامیہ کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث بن جائے گی۔

اسلامی دائرے میں رہ کر فروعی اختلافات کو نظرانداز کرکے ہی ملت اسلامیہ متحد رہ سکتی ہے کیونکہ فرقہ آرائی اور گروہ بندی سے اسلام کا دائرہ محدود ہوجاتا ہے اور اس کے نتیجے میں لوگ تنگ ہوجاتے ہیں۔ پھر اس تنگ دائرے سے نکلنے کی کوشش میں دوسرے تنگ دائروں میں اپنے آپ کو قید کرلیتے ہیں اور وہاں اطمینان نہ پاکر کسی اور نام کی تنظیم یا فرقہ بنالیتے ہیں۔ اس طرح مختلف ناموں پر مختلف تنظمیں جو بعد میں فرقہ کی شکل اختیار کرلیتی ہیں وجود میں آجاتی ہیں اور تنقید و تحقیر اور ایک دوسرے کی مخالفت کی مہم جاری ہے۔ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کے لئے مباحثے اور مناظرے بھی جاری ہیں اور اس طرح اس بے مقصد مہم جوئی میں مشغول ہوکر اسلام کی بنیادی تعلیم فراموش کی جاتی ہے اور مسلکی، گروہی، نظریاتی تنازعات، تضادات اور تفرقات کھڑا کرکے ملت کو انتشار میں ڈالدیا گیا ہے اور اگر یہ مہم اسی طرح جاری رہی تو اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل (future) کو خطرے سے کوئی بچا نہیں سکتا ہے اور بقول حالیؔ

جو تفرقے اقوام کے آئی تھی مٹانے اس قوم میں خود تفرقہ آکے پڑا ہے

ملت اسلامیہ کو تفرقہ کی اس مصیبت سے نکلنے اور اپنا تشخص برقرار رکھنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملت کے سارے علماءِ کرام یکجا ہوکر اپنی اپنی علمی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو بروئے کار لائیں اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے قرآن و سنت کی روشنی میں دین کے مسائل حل کریں اور لوگوں کو صحیح دین کی فہمائش کریں۔ انہیں توحید کی تعلیم دیں اور شرک وبدعات سے نجات دلائیں تاکہ ''وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡ'' اللہ کے اعلان کا مقصد پورا ہوجائے اور مسلمانوں میں فرقہ واریت اور فرقہ بندی کا رجحان ختم ہوجائے۔ چونکہ علمائے امت کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے وارث اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے برابر کا درجہ دیا ہے۔ اس لئے ان علمائے کرام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان تعلقات درست کریں۔ ملت کی صحیح رہنمائی کریں۔ مختلف ناموں پر فرقہ بندی اور گروہ بندی نہ کریں ۔ملت کو فروعی مسائل میں الجھاکر منتشر نہ کریں۔ مصلحت آمیزی، تنگ نظری، کم ظرفی اور ذاتی مفاد و عناد کو یکسر چھوڑ کر دین کی خدمت اور ملک کی رہبری کریں تاکہ دین میں اختلافات اور فرقہ بندی کا خاتمہ ہوجائے اور علمائے کرام خداوند کریم اور

اس کے رسول کے سامنے سرخ رو ہوکر اعلیٰ مقام حاصل کریں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مسلمانوں کو بلغو ولو آیتِ کی حدیث نے بھی اس غلط فہمی میں بتلا کر رکھا ہے کہ جسے اسلام کے متعلق ایک ہی بات معلوم ہو اسے لوگوں تک پہنچانا چاہئے۔ اس حدیث کا استحصال کرکے فرقہ بندی کے قائل لوگوں میں ہر کسی نے اپنے آپ کو عالم سمجھا اور اس طرح عالموں اور اماموں کی کوئی کمی نہ رہی اور ان کا کوئی معیار بھی نہ رہا اور تبلیغی مشن میں کار نجار بدست گلکار کا طریقہ رائج ہوا اور علمی معیار کے بغیر جس کسی نے دین کے متعلق جو کچھ کہنا چاہا کہدیا۔ حالانکہ نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''جب اہم کام نااہل لوگوں کے حوالے ہونے لگیں تو پھر قیامت کے آنے کا انتظار کرو''۔ تبلیغ دین کے لئے اکثر ایسے لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے جو اس منصب کے اہل نہیں ہوتے ہیں اس لئے نہ ان سے دین کی آبیاری ہوتی ہے نہ صحیح رہبری بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تفریق تضاد اور انتشار پھیل جاتا ہے۔ حالانکہ تبلیغ دین کی حکمت عملی کو اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ ''اے نبی ! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دعوت دو اور لوگوں سے ایسے طریقہ پر مباحثہ کرو جو بہترین ہو''۔ (سورہ نحل) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مبلغ اور خطیب کے لئے حکمت دعوت و تبلیغ کے قرآنی اصولوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔

فرقہ بندی کے جنون میں دوسرں کی تکفیر و تحقیر اور دنگہ فساد کرنے سے نہ تو کسی کو ہم خیال بنایا جاسکتا ہے اور نہ دین کی کوئی خدمت کی جاسکتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے خوش خلقی اور حکمت تبلیغ سے ہی دنیا کے کونے کونے میں اسلام پھیلایا۔ فرقہ واریت اور گروہ بندی کی فضا میں نہ ہم دوسرے اقوام کو اسلام کے نزدیک لاسکتے ہیں نہ دین کی کوئی خدمت کرسکتے ہیں بلکہ اتحاد و اتفاق کے بجائے ہم نفرت تضاد اور فساد پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس غلط فہمی میں رہتے ہیںکہ ہم دین کی خدمت کرتے ہیں۔
حیرت اس بات پر ہے کہ اللہ ایک، نبی ایک، قبلہ ایک، قرآن ایک اور ایمان ایک ہونے کے باوجود مسلمان عالمی سطح پر ایک نہیں اس لئے ملت اسلامیہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ سب ملکر تفرقہ کو چھوڑ کر اتحاد و اتفاق کے لئے کمربستہ ہوکر بین الاقوام میں بحیثیت مسلمان اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں اگر ملت میں اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی قائم ہوجائے تو کوئی بھی باطل طاقت مسلمانوں کو زیر نہیں کرسکتی ہے۔ مسلمان اگر فروعی مسائل اور فرقہ بندی کے جذبات کو نظرانداز کرکے اسلامی جذبہ کے تحت متحد ہوجائیں تو وہ دن دور نہ ہوگا جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر دنیا کے تمام بت کدوں پر اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔ مسلمانوں کے اس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ فرقہ پرستی کی گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ملت کے اتحاد و اتفاق پر زور دیں۔ ان شاء اللہ کامیابی ان کے قدم چومے گی اور یہ اس گروہ میں شامل ہوجائیں گے جس کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا کہ امت محمدؐ گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور قیامت تک ہر دور میں ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔

اس بات پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ و سلم اللہ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور رسول ہیں جنہوں نے دنیا کو توحید یعنی خدا پرستی سے روشناس کرایا۔ آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں خداپرستی کے بجائے بت پرستی کی جارہی تھی۔ لوگ فسق و فجور میں بتلا تھے۔ انسانیت اور اخلاق نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ظلم و تشدد اور فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا۔ ایسے نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی کتاب قرآن مجید کے ساتھ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تاکہ اس لی روشنی سے دنیا کے اندھیرے کو دور کیا جائے۔ یعنی اس کی روشن تعلیمات سے کفر و شرک اور فسق و فجور میں بتلا انسانوں کو ہدایت کے راستے پر لایا جائے۔ اس طرح آپؐ نے ایک عالمگیر دین لاکر دنیا میں رحمت اور راحت کا ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن مجید کی یہ کتاب دنیا کے سامنے انسانی زندگی کے آئین کی حیثیت سے پیش کی گئی۔ اگر دنیا اس پر عمل پیرا ہوجائے تو تمام مصیبتوں اور مشکلات سے نجات پائے گی۔ پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن ایک جامع اور کامل کتاب ہے جس میں اسلامی احکام اور ہدایت مکمل طور پر مذکور ہیں۔ اس میں ایسی فصاحت و بلاغت ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔ اس کی فصاحت اور بلاغت پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو چیلنج دیا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں شک ہے تو قرآن جیسی ایک سورت یا ایک آیت لاکر ثابت کرو کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ کا کلام ہے لیکن آج تک کسی نے قرآن جیسی ایک آیت لانے کی جرأت نہ کی اور نہ رہتی دنیا تک کوئی ایسی جرأت کرسکے گا کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی انسان کا نہیں۔

غور طلب بات ہے کہ اگر قرآن کی حیثیت اس درجہ کی ہوتی کہ ہر انسان اس کے معنی و مطلب کو بغیر کسی رہنمائی اور روشنی کے حاصل کرسکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی کوئی ضرورت نہ ہوتی بلکہ قرآن مجید کو بطور سرچشمہ ہدایت براہ راست دنیا میں اتار دیا جاتا اور ہدایت چاہنے والے اس سے خود استفادہ کرلیتے۔ لیکن قرآن کے اکثر احکام اور اصول عام انسان کی عقل، فہم اور سمجھ سے باہر ہیں۔ اس لئے لامحالہ قرآن کے معنی و مطالب اور اس کی مراد حاصل کرنے کے لئے انسان رسول کی توضیح و تشریح اور آپؐ کے ارشادات کے محتاج ہیں۔ اس لئے دنیا کی ہدایت کے لئے رسول کی بعثت لازمی تھی کیونکہ جس طرح ایک استاد کے بغیر کتاب کا پڑھنا ناممکن ہے اسی طرح رسول کی رہنمائی کے بغیر کتاب اللہ کو سمجھنا اور ہدایت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی کتاب نازل فرمائی تو اس کے ساتھ اس کا معلم اور استاد بحیثیت رسول مبعوث فرمایا جس نے لوگوں کو کتاب کی تعلیم دی اور اس کی تشریح و توضیح کرکے ہدایت کو عام کردیا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ نبی کی بعثت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا کلام جو ان پر نازل ہوتا ہے پہلے خود اس کی تلاوت کریں پھر اس کی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور اس کے معنی و مطالب واضح کریں۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ٥ (آل عمران:۱۶۴)

نبی پر جو وحی نازل ہوتی تھی آپؐ صحابہ کو سناتے تھے اور جہاں ضرورت پڑتی وہاں اس کی تشریح کر کے صحابہ کو سمجھاتے تھے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے درمیان موجود تھے تب تک صحابہ کو آپ کے کلام کو لکھنے کی ضرورت نہ پڑی بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں (حدیث) لکھنے کی کوشش کی تو اسے منع کیا گیا اس کی وجہ یہ بتائی گی ہے کہ آپؐ کو اندیشہ تھا کہ کہیں کلام رسول اور کلام اللہ خلط ملط نہ ہوجائے۔ لیکن نبی کی وفات کے بعد مسلمانوں کو جب مسائل اور معاملات حل کرنے میں مشکلات پیش آئیں تو انہوں نے نبیؐ کی مدد کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن نبیؐ اب لوگوں میں موجود نہ تھے اس لئے آپؐ کے ارشادات اور افعال و اعمال کی طرف رجوع کیا گیا چونکہ آپؐ نے اپنی حیات میں اپنا کلام لکھوانا اس وجہ سے منع فرمایا تھا کہ آپ کے کلام کو قرآن سے نہ ملایا جائے لیکن اب اس خطرے کا کوئی اندیشہ نہ تھا کیونکہ نزول قرآن کا سلسلہ نبی آخر الزمان کے انتقال کے ساتھ ہی ختم ہوچکا تھا اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے دوران ہی اسے کتابی شکل دے کر محفوظ کرلیا گیا تھا اور یہ کتاب مسلمانوں کا آئین اور قانون بن چکی تھی۔ اس لئے آپ کے کلام اور آپؐ کی ہدایات کی طرف رجوع کیا گیا۔ اس سلسلے میں ان صحابہؓ اور تابعین سے رابطہ کیا گیا جو اس وقت تک موجود تھے اور کلام نبویؐ کو احادیث نبویؐ کے نام سے جمع کیا گیا تاکہ قرآن سمجھنے اور مسائل و معاملات کو حل کرنے میں مشکلات پیش نہ آئیں۔ احادیث جمع کرنے کی یہ مہم کئی سالوں تک جاری رہی اور انہیں کتابی شکل دے دی گئی جو قرآن مجید سمجھنے میں مفید ثابت ہوئیں اور ان احادیث کا بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ قرآن مجید اور اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دنیا میں قرآن کے بغیر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جو ردوبدل (distortion) کے بغیر اپنی اصلی اور صحیح صورت میں موجود ہو جس کے متعلق پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خدا کی کتاب ہے اور اس کتاب کے بعد ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے جو اس کتاب کا سمجھنے، سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کا پیمانہ ہے۔ اس طرح مسلمان دنیا کی خوش قسمت قوم ہیں جس کے پاس اللہ کی کتاب اور نبی کی ہدایات موجود ہیں لیکن اس قوم کے لوگوں کی بد قسمتی ہے کہ یہ اس کتاب اور اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر کہیں اور جارہے ہیں۔ مغربی علوم اور قوانین پر انحصار کرکے قرآن کو نظرانداز کرتے ہیں اور نئے نئے فرقے بنا کر دین کو نقصان پہنچادیتے ہیں اور اس فرمان الٰہی کو بھول جاتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

''اے لوگو یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ایک جماعت بن کر رہنے کا حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل میں ارشاد نبیؐ ہے:

اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو اللہ کی مدد، نصرت اور توفیق و تائید حاصل ہے لیکن یہ وہ جماعت ہے جو واقعی حق پرست اور صراط مستقیم پر گامزن ہو۔ کسی غلط عقیدہ اور نظریہ پر متفق نہ ہو اور حق وہی سمجھیں جس پر امت محمدؐیہ کا اتفاق و اتحاد ہو جو اس جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس طرح کی جماعت سے وابسطہ ہونا لازمی ہے اور اس سے علاحدگی اسلام سے علاحدگی ہے۔ یہ ''الجماعت'' ہے یعنی مسلمانوں کی ایک ہی جماعت نہ کہ کوئی فرقہ اور نہ ایسی جماعت جیسے چند مسلمان ملکر بنالیں بلکہ یہ امت مسلمہ کی وہ جماعت ہے جیسے قرآن میں امت واحدہ فرمایا گیا ہے اور جو اقامت دین کے لئے بنائی گئی ہو جس میں سب اہل ایمان شامل ہوں۔ مسلمانوں کی جب ایسی جماعت موجود ہو تو اس سے علاحدہ ہونا دین سے علاحدگی ہے اور اس شخص کا ایمان معتبر نہیں جو اس طرح کی جماعت سے علاحدہ ہو کر نئی جماعت بنا کر اسلام کی خدمت کرنے کا دعویٰ کر رہا ہو۔ شریعت یہ اجازت نہیں دیتی ہے کہ چند آدمی ملکر ایک علاحدہ جماعت بنائیں اور ان سب مسلمانوں کو مشرک قرار دیں جو ان کی جماعت میں شامل نہ ہوں یہاں تک کہ اپنی جماعت اور فرقہ کے نام کی مسجدیں تعمیر کریں۔ اس طرح کا رویہ مسلمانوں میں تفریق اور انتشار پیدا کردیتا ہے اور گروہ بندی کا باعث بن جاتا ہے اور اکثر لوگ پریشانی (confusion) میں رہ کر یہ فیصلہ نہ کرسکتے ہیں کہ ان جماعتوں میں کون سی جماعت صحیح ہے اور کس جماعت میں شمولیت کریں اور خدا کی صحیح بندگی کریں۔ الجماعت خلافت راشدہ میں موجود تھی لیکن بعد میں گروہ بندی کی وجہ سے اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

البتہ دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کی سرخ روئی کے لئے کوئی جماعت یا جماعتیں سرگرم عمل ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو 'الجماعت'' یعنی ایک ہی جماعت میں شامل سمجھیں۔ جیسے القرآن میں امت واحدہ کا نام دیا گیا ہے جو مشرق و مغرب تک امت واحدہ کی حیثیت سے عالم اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے سرگرم عمل ہو۔

فرقہ بندی وجود میں آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے یہ مختلف فرقے ایک دوسرے کو شرک

و بدعات میں ملوث ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کی وضاحت کرنا مناسب سمجھا گیا۔

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: ''سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید ہے اور سب سے بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور سب سے بُری چیز وہ باتیں ہیں جو نئی نکالی گئی ہوں کہ جس کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت گمراہی کا سرچشمہ ہے۔'' (مسلم شریف)

بدعت: بدعت ہر اس چیز کا نام ہے جس کا وجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ رہا ہو بلکہ آپؐ کے بعدپیدا ہوئی ہو۔ علماء نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک بدعت حسنہ اور دوسرا بدعت سیئہ۔

بدعت حسنہ: بدعت حسنہ وہ بدعت ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے خلاف نہ ہو اور جس میں شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہو اور جو محض نیک نیتی پر مبنی ہو اور معاشرے کے لئے بہتر ہو۔

بدعت سیئہ: یہ وہ بدعت ہے جو اللہ کی کتاب اور سنت رسول اور احکام شرعی کے خلاف ہو۔ حدیث میں جس بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے وہ بدعت سیئہ ہے۔ بدعت حسنہ گمراہی نہیں ہے کیونکہ ایسی بدعت ضروری ہے۔ جیسے کلام اللہ اور احادیث نبوی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے علم نحو یعنی گرائمر (grammar) وغیرہ کا استعمال کرنا اور پڑھنے اور پڑھانے کے لئے جدید طرز کی مشینوں (gadgets) اور آلات کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ اس لئے یہ چیزیں جب دین میں استعمال ہوتی ہیں تو ان کو گمراہی کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ان چیزوں کے اضافہ سے اسلام کی تشہیر اچھی طرح سے ہوتی ہے لیکن بعض علماء کے نزدیک ہر کوئی نئی چیز جو دین میں داخل کی جاتی ہے بدعت ہے چاہے وہ شرک پر مبنی نہ ہو کیونکہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ جیسے نماز کے بعد بلند آواز میں کلمات اور تسبیح وغیرہ پڑھنا لیکن بعض کے نزدیک کلمات توحید پڑھنا بدعت نہیں بلکہ اللہ کی عبادت میں شامل ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں ''کہ نئی نکالی گئی بات اگر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کے قول فعل اور اجماع کے مخالف پڑتی ہو تو اس کی ضلالت یعنی گمراہی کہیں گے اور اگر ان کے مخالف نہ ہو تو یہ گمراہی نہیں ہے۔''

امت کے کچھ محققین کا قول یہ ہے کہ اصطلاح میں بدعت کا لفظ جس خاص مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں حسنہ اور سیئہ یعنی اچھے اور برے کی تقسیم نہیں ہے بدعت کی صرف ایک ہی قسم ہے وہ سیئہ یعنی گمراہی ہے۔ جو سراسر بُری چیز ہے۔ بدعت کی تعریف محققین نے یہ بیان کی ہے کہ ہر وہ نئی چیز قولی یا فعلی جو دین میں ثواب اور اجر کی غرض سے پیدا کی گئی ہو جس کی کوئی اصل اور دلیل نہ کتاب و سنت میں ہو اور نہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہو بدعت کہلاتی ہے۔
(بحوالہ مظاہر حق)

شرک: خدا کی ذات یا اس کی عبادت میںکسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) شرک جلی، (۲) شرک خفی

شرک جلی: ظاہر و صریح شرک کو شرک جلی کہتے ہیں جیسے بت پرستی اور قبر پرستی اس طرح کا شرک عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

شرک خفی: پوشیدہ شرک کو شرک خفی کہتے ہیں جیسے خدا کو چھوڑ کر کسی انسان پر بھروسہ کرکے اسے عبادت میں شامل کرنا وغیرہ۔ اس قسم کا شرک اکثر غیر محسوس ہوتا ہے اور انجانے میں کیا جاتا ہے یعنی شرک کرنے والے کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس نے کوئی شرک کیا اس لئے اسے شرک خفی کہتے ہیں۔

کچھ لوگ خاص طور پر جمعیت اہل حدیث نماز کے بعد کلمات، تسبیح اور ذکر الٰہی کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ عرب خاص طور پر مکہ اور مدینہ میں چونکہ اسلامی ریاست قائم ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق تمام دینی فرائض انجام دیئے جاتے ہیں۔ نماز کے بعد کوئی بدعت حسنہ رائج نہیں یعنی ذکر و اذکار اور تسبیح اور وظائف نہیں پڑھے جاتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس ریاست مدینہ کے باہر خاص طور ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں تسبیحات اور ذکر واذکار کو عبادت کا ایک حصّہ سمجھا جاتا ہے اور اس طرح کی عبادت کا رواج بدستور

موجود ہے اور اکثر لوگ نماز کے بعد درود واذکار میں مشغول رہتے ہیں۔

جو لوگ اس طرح کا عمل کرتے ہیں وہ اسے اس بنیاد پر جائز سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کی تسبیح پڑھتے تھے اس لئے یہ جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے:

إِنَّ اللہَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًاo (الاحزاب:٥٦)

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ہدایت ہوئی تھی کہ ہم ہر نماز کے بعد تنتیس(۳۳) بار سبحان اللہ، تنتیس(۳۳) بار الحمدللہ اور چونتیس(۳۴) بار اللہ اکبر پڑھیں یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے پچیس بار (۲۵) سبحان اللہ، پچیس بار الحمدللہ ، پچیس بار اللہ اکبر اور پچیس بار لا الٰہ اللہ پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (احمد، نسائی، دارمی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر کھڑے ہوکر فرماتے سنا ہے کہ جس نے ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کا معمول رکھا اس کو جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی سوائے موت کے۔ (نسائی۔ طبرانی)

مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد صلوٰۃ (نماز کے بعد ذکر) میں فرمایا گیا ہے کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر پہلے ان دعاؤں اور اذکار میں سے کوئی دعائیہ ذکر پڑھا جائے جو حدیثوں میں آئے ہیں۔ پھر اس کے بعد سنن یعنی سنتیں اور نوافل پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا چاہیئے۔

ذکر کا لغوی معنی بیان کرنا اور یاد کرنا کے ہیں اور دینی اصطلاح میں ذکر کا معنی خدا کو زبان اور دل سے یاد کرنا ہے۔ یاد خدا، اللہ کا حمد وثنا، تسبیح و دعا سب اللہ کے ذکر میں شامل ہیں۔ ذکر الٰہی دو طرح کی ہے (۱) ذکر جلی یا ذکر جہری (۲) ذکر خفی

ذکر جلی یا جہری: اللہ کا نام بلند آواز سے لینا یا بلند آواز سے اللہ کی حمد وثنا کرنا، ذکرلی جلی ہے۔

ذکر خفی: خاموشی سے دل میں ہی اللہ کو یاد کرنا ذکر خفی ہے۔

سلام پھیرنے کے بعد کا ذکر: سلام پھیرنا دراصل نماز ختم کرنے کی علامت ہے ۔ سلام پھیرتے وقت جب امام صاحب کی طرف اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کی آواز آتی ہے تو مقتدی بھی یہی الفاظ دہراتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ختم کرتے ہوئے امام اور مقتدی ایک دوسرے کو سلام کرتے

ہیں۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو۔ یہ آپس میں محبت کا اظہار ہے۔ یعنی اہل ایمان ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور خوش خلقی سےپیش آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل ایمان جب ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو فرشتے بھی ان کو سلام کرتے ہیں۔

فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد کی دعا:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓبیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کا سلام پھیرنے کے بعد بس اتنی ہی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ سَلَامْ وَمِنْکَ سَلَامْ تَبَارَکْتَ یَاذِالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو پہلے تین دفعہ استغفار کرتے یعنی تین بار استغفر اللہ پڑھتے اور پھر یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ سَلَامٌ وَمِنْکَ سَلَامٌ تُبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

حضرت کعب بن مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر فرض نماز کے بعد جو شخص سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدُ للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھے وہ حصول ثواب سے محروم نہیں رہ سکتا۔

حضرت مغیرہ بن شیعہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے تھے تو بلند آواز سے پڑھتے تھے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر (رواہ مسلم)

اگرچہ ان دو احادیث کا متن ایک ہے لیکن عبداللہ بن زبیر کی اس حدیث میں بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر ہے۔

کلمات اور ذکر واذکار کی اہمیت ابو ذر غفاریؓ کی اس حدیث کی روایت سے واضح ہوجاتی ہے کہ چند صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہل ثروت اجر و ثواب میں سبقت لے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال سے صدقہ کرتے ہیں (جبکہ ہم مالدار نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی صدقے

کا سامان مہیا کیا وہ اس طرح کہ تم لوگ سبحان اللہ، الحمداللہ، اللہ اکبر اور لا اِلٰہ اللہ پڑھو تو یہ بھی صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب زکوٰۃ)

ذکر ازکار اور کلمات کے پڑھنے کے متعلق کچھ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو امت کی تعلیم کے پیش نظر بلند آواز سے پڑھتے تھے ورنہ ان اذکار، کلمات اور دعاؤں کا آہستہ آہستہ پڑھنا افضل ہے لیکن جہاں اس بات کی ضرورت ہو کہ کوئی دعا کسی کو سکھانی ہو تو اس کو بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے۔

جو لوگ بلند آواز میں کلمات اور ذکر واذکار پڑھنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بہرا نہیں ہے کہ اسے اونچی آواز میں سنایا جائے۔ لیکن ان کا کہنا سندِ جواز نہیں رکھتا ہے کیونکہ حج اور عمرہ میں طواف کعبہ کے دوران تلبیہ۔ لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ۔ میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں بلند آواز سے ہی پڑھا جاتا ہے۔ اگر بلند آواز میں اللہ کے کلمات پڑھنا اور اللہ کا ذکر کرنا ممنوع ہوتا تو بلند آواز میں تلبیہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوتی اور جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا بھی جائز نہ ہوتا۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صحابہؓ کو دعا اور ذکر اذکار کے کلمات سکھانا تھا۔ اس لئے آپ بلند آواز سے پڑھتے تھے اور جب لوگوں کو دعا یاد ہوگئی تو آہستہ آہستہ پڑھنے کو ہی ترجیح دی گئی لیکن اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آج بھی لوگوں کو نماز کے بعد کی دعائیں اور اذکار سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اگر فرض نماز کے بعد دعائیں اور اذکار بلند آواز سے پڑے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان میں کوئی شرک نہ ہو۔

مختصراً ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کلمات اور اذکار کا پڑھنا جائز ہے خواہ بلند آواز سے پڑھے جائیں یا خاموشی سے دونوں طریقے کی روایات موجود ہیں اور اس معاملے میں اختلاف کرنا دین کے خلاف ہے اور اس طرح کے اختلافات اسلام میں فرقہ واریت کو جنم دیتے ہیں۔

اب جو لوگ نماز کے بعد وظائف، تسبیح اور درود پڑھنے کو اس وجہ سے خلاف سنت قرار دیتے ہیں کہ اس طرح کا عمل کعبہ اور مسجد نبوی میں جاری نہیں ہے اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہی عرب کی سرزمین پر دینی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ شرک و بدعات اور قبروں پر زیارتیں اور درگاہیں بنانے کا رواج شروع ہوگیا تھا اور لوگوں میں دوبارہ قبر پرستی کا رجحان بڑھ گیا تھا۔ لوگ اصل شریعت اور دین بھول گئے تھے۔ ان حالات میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ مجدد اول کی حیثیت سے نمودار ہوئے انہوں نے اسلام کے راستے میں بچھائے ہوئے شرک و بدعات کے سب کیل کانٹے ہٹا دئے اور دین کو اصل روپ میں پیش کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اول درجے کا مجدد اور امام احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہؒ کا اصل جان نشین ثابت کیا اور معتزلوں اور عقل پرستوں کے فلسفوں کو سختی سے رد کیا اور اس حقیقت پر زور دیا کہ قرآن کے متن اور سنت رسول کو اس کے سادہ لغوی معنی میں بغیر کسی سوال کے قبول کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔

اسلام قبول کرنے والی ایک انگریز خاتون مریم جمیلہ کہتی ہیں ''کہ جب شیخ صاحب نے معاشرے کے اصلاح کا آغاز کیا تو انہیں کچھ ایسے اعمال کے خلاف بھی کھڑا ہونا پڑا جو بظاہر تو جائز تھے لیکن معاشرے میں انہوں نے ایسی صورت اختیار کی تھی کہ جس سے شرک اور بدعات کو فروغ مل رہی تھی۔ اس حقیقت کو اس مثال سے سمجھایا جاسکتا ہے کہ پانی حلال ہے لیکن اگر مریض کے لئے نقصان دہ ہو تو معالج (doctor) اس کو پانی پینے سے منع کرتا ہے اور بعض اوقات اس کی صحت یابی کے لئے حلال غذا بھی حرام کی جاتی ہے تاکہ اس کو بیماری سے بچایا جاسکے''۔ اسی طرح شرک و بدعات کے خاتمہ کے لئے نماز کے بعد ذکر واذکار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے اجتماعی عمل کو روک دیا گیا۔ اگرچہ یہ جائز بھی تھا تاکہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریقہ پر واپس لانے میں مدد مل سکے اور عبادت کا یہ طریقہ عرب کی سرزمین پر اب تک رائج ہے اور وظائف پڑھنے کی سنت اور درود پڑھنا انفرادی حیثیت سے جائز اور برقرار ہے۔(Islam in theory and practice by Maryam Jameelah)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اِنَّ اللہَ وَمَلَآئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ صَلُّوْ عَلَیْہِ وَ سَلِّمْ تَسْلِیْمَا۔

البتہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کچھ لوگ نبیؐ پر درود کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں جس میں نبیؐ کی تعریف میں شرک کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں لیکن شرک روکنے کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ درود پڑھنے کے اللہ کے حکم کو روکا جائے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ درود پڑھنے میں لاعلمی کی وجہ سے جو شرک کیا جاتا ہے اسے روکا جائے مثال کے طور پر مریض کا مرض دوائی سے ختم کیا جاسکتا ہے نہ کہ مریض کو ختم کرنے سے اور ایسا کرنا انسانیت سے ہمدردی نہیں بلکہ انسانیت پر سراسر ظلم ہے۔

دور حاضر کے مسلمانوں کی صورت حال افسوس ناک اور حیرت انگیز ہے ایک طرف یہ مغربی تعلیم سے متاثر ہوکر ان کی تہذیب اور ثقافت (culture) کے دلدادہ ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں ان کی نقل زنی کررہے ہیں اور دیوانوں کی طرح ان کے کلچر کی تصویر بن رہے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی کو بجھا کر غیروں کی اندھی تقلید کرکے اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔ گھر کی دہلیز سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک ہر معاملے میں ان کی نقل کررہے ہیں یہاں تک کہ اپنے دین کو بھی ان کی خواہشات اور نظریات کے تابع کرگئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی مسلم ملک کے آئین میں قانون الٰہی کی جھلک نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں میں فرقہ واریت کا سلسلہ جاری ہے اور فرقہ واریت کی اس جنگ نے لوگوں کو دین سے بے رغبت کردیا ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں پر چل کر منہ کے بل گرتے جارہے ہیں۔ انہیں وہ شاہراہ اسلام کہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے جس پر چل کر یہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے۔ فرقہ واریت کی اس جنگ کو اگر ختم نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہ ہوگا کہ جب لوگ دین سے بے زار ہوکر گمراہ ہوجائیں گے۔ سوائے ان کے جن کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تاقیامت صراط المستقیم پر قائم رہے گی اور دین کی دعوت دیتی رہے گی۔

احادیث کی دینی حیثیت و اہمیت: اس بات پر امت متفق ہے کہ نبی کریمؐ خاتم النبین و مرسلین یعنی آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی رسول اور ہادی نہیں آئے گا۔ آپ نے اللہ کا کلام (قرآن مجید) لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور انہیں بت پرستی اور کفر و شرک کی لعنت سے نجات دلا کر ایمان و ایقان کی نعمت سے روشناس کرایا۔ آپ کو جب مبعوث کیا گیا تو اس وقت دنیا میں بت پرستی کا بول بالا تھا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کے بجائے پتھروں کے تراشے ہوئے بتوں کے آگے انسان کی باعظمت پیشانی جھک رہی تھی۔ لوگوں میں فسق و فجور اور فتنہ وفساد کا دور دورہ تھا۔ حسن اخلاق اور بھلائی کا نام و نشان ہی مٹ چکا تھا۔ ان حالات میں رب العالمین نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے ساتھ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے بھیجا آپ نے قرآن کی تعلیم سے ملحدوں اور منکروں کو روشناس حق تعالیٰ کردیا۔ دنیا کو صحیح راستہ دکھایا کفر و شرک میں مبتلا لوگوں کی اکڑی ہوئی گردنوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے لاجھکادیا اور انہیں اخلاق وشعور کے زیور سے آراستہ کیا اور ظلم و تشدد کے عادی انسان امن و امان، محبت و ہمدردی اور خدا دوستی کے جذبہ سے سرشار ہوئے۔ اس طرح آپؐ نے ایک عالمگیر دین لاکر دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا جو تمام دنیا کے لئے باعث رحمت و راحت ہے اور فطرت و مزاج کے عین مطابق اور قرآن کریم کی تعلیمات اور آپؐ کے اسوہ حسنہ پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی اور آدم علیہ السلام اس دنیا کا پہلا انسان اور نبی ہے۔ جس سے انسان کی نسل شروع ہوئی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو اللہ کی بندگی سکھائی۔ ان کے بعد پے درپے نبی اور رسول اللہ کی ہدات اورپیغام لے کر آئے یہاں تک کہ سالار انبیا خاتم النبیین و مرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ پر قرآن نازل ہوا جو آخری وحی اور آخری کتاب ہے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ لی ہدایت کے تحت اس کتاب کی ترتیب فرمائی۔ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی تھی تو آپ اسی وقت کاتب کو بلاتے اور ترتیب کے ساتھ لکھوانے کی ہدایت فرمادیتے تھے اور اسی ترتیب سے خود نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرام بھی اسے یاد کرتے تھے اور اس طرح قرآن مجید کا نزول مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ترتیب بھی مکمل ہوگئی اور یہ ترتیب اللہ کی دی ہوئی ترتیب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کافروں کے ساتھ خونریز لڑائیوں اور جنگوں میں جب صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی جن میں اکثر حافظ قرآن تھے تو حفاظ کرام کی کمی محسوس کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ قرآن مجید کو تحریر کرکے محفوظ کیا جائے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو جو کاتب وحی رہ چکے تھے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ قرآن پاک کی تمام لکھی ہوئی آیات جمع کی گئیں۔ صحابہ کرام کے پاس قرآن کی جو بھی آیت لکھی ہوئی یا حفظ تھی اسے فراہم کیا گیا اور حفاظ کرام سے بھی مدد لی گئی اس طرح ان تینوں ذرائع کو بروئے کار لاکر متفقہ شہادت اور کامل اطمینان کے بعد قرآن کی ایک ایک آیت مصحف میں محفوظ کی گئی اور قرآن کے نام سے ایک کتاب تیار کی گئی اور اسے اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھ دیا گیا اور اس کی نقل اتارنے کی عام اجازت دے دی گئی۔

قرآن کی قانونی حیثیت اور مرتبہ(Status and Stature)

قرآن مجید ہدایت کی ایک جامع اور مکمل کتاب ہے جس میں اسلامی احکام و ہدایات اور شریعت کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں دین کا دستور اور زندگی کے رہنما اصول ہیں۔ اس کی فصاحت اور بلاغت نے دنیا کے زبان دانوں کو حیرانگی میں ڈال دیا ہے اور اپنے مخالفین کو جو چلینج دیا ہے وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ۔(البقرۃ: ۲۳) ''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاؤ''۔ اس کے سامنے دنیا والوں کی عقل و فہم اور فصاحت و بلاغت کمزور ثابت ہوئی اور آج تک کسی نے قرآن جیسے کلام کی ایک آیت یعنی ایک جملہ لانے کی ہمت نہ کی اور نہ رہتی دنیا تک کوئی ایسی جرأت کرسکے گا اور اس بات کا اعتراف دنیا کے بڑے بڑے عالموں، ادیبوں اور فلسفیوں کو ہے کہ قرآن کو یہ اعجاز ہے کہ اس کی ایک ایک آیت میں علم اور فلسفہ کے دریائے بیکراں سمائے ہوئے ہیں جن کی وسعتوں اور گہرائیوں کا یہ عالم ہے کہ سالہا سال سے اس کتاب کے منکرین و مخالفین گہرائی سے مطالعہ کررہے ہیں تاکہ اس میں کوئی غلطی پائیں اور دنیا کو اس سے خبردار کریں لیکن آج تک اس طرح کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ اس

لئے قرآن کی یہ کتاب دنیا کے عالموں، فلسفیوں اور سائنسدانوں کے لئے چلینج بنی ہوئی ہے کیونکہ کوئی اس کا سامنا نہ کرسکا۔

اگر دنیا کے تمام انسان قرآن جیسی ایک سورۃ نہ لاسکے کیونکہ ان کے علم اور عقل و فہم میں وہ وسعت اور گہرائی نہیں ہے کہ وہ از خود قرآن جیسا کلام لاسکیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قرآن کے معنی اور مطالب بیان کرسکیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے رسول بھیجے اور ان ہی کے ذریعے اسے نازل بھی فرمایا۔ لہٰذا قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے قرآن کی تشریح اور توضیح کے لئے رسولؐ کے ارشادات اور فرمودات کے محتاج ہیں اور اگر اللہ کا منشا یہ ہوتا کہ قرآن اور اس کا معنی و مفہوم بغیر کسی رہنمائی کے انسانوں تک پہنچ جائے تو قرآن کی حیثیت اس درجے کی ہوتی کہ ہر کوئی شخص اس کے معنی و مفہوم کو بغیر کسی رہنمائی کے حاصل کرسکتا اور رسول کی بعثت کی ضرورت نہ ہوتی اور اللہ کی ہدایات لوگوں تک براہ راست اتار دی جاتیں اور آج کل کے ٹیلی فون موبائل نیٹ ورک (Telephone mobile network) کی طرح ہر کسی کو اللہ کی ہدایات اور احکام پہنچ جاتے۔ (واللہ اعلم)

اس حقیقت کے پس منظر میں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے لئے جو ہدایات اللہ کی طرف سے نازل کی گئیں۔ ان کو سمجھانے کے لئے رسولوں کی بعثت لازمی ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ رسول کی رہنمائی کے بغیر اللہ کی کتاب سمجھ میں آسکے گی اور لوگ ہدایت پائیں گے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جب بھی اپنی کتاب نازل کی تو رسول پر نازل کی اور اس کے مقاصد، معنی اور مطالب وحی کے ذریعے واضح کردیئے۔ پھر ہر کسی رسول نے لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف نال کی گئی وحی اور کتاب کی تعلیم دی اور اس کی تشریح و توضیح کرکے اللہ کی ہدایت عام کردی۔ امام اوزاعیؒ حضرت حسان کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آیا کرتی تھی اور جبرائیل آپؐ کے پاس وہ سنت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کردیتی تھی۔ (ترجمان السنۃ)

خود قرآن سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ خود اللہ کے کلام کی تلاوت کریں پھر اس کی تعلیمات سے روشناس کرائیں تاکہ اس کے معنی و مطالب

دنیا پر واضح ہوجائیں۔

لَقَدْ مَنَ اللہَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلً مِنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمْ وَالْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃً۔ (آلعمران:)

بارگاہ الٰہی سے جو فرامین، احکام و قوانین بذریعہ وحی آتے رہے ان کو امت تک پہنچانا اور ان پر پہلے خود عمل کرنا اور پھر دنیا والوں کو عمل کرانا نبی کا فریضہ تھا۔ نبی کے لئے جہاں یہ ضروری تھا کہ قوم تک اللہ کا پیغام پہنچائے وہاں اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ پہلے وہ خود اس پر عمل کرے اور پھر دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ ہماری آیات اور احکام جب آپؐ کو پہنچ جاتے تو پہلے آپ ان کو خود پڑھتے اور سمجھتے ہیں اور عمل پیرا ہوتے ہیں اور پھر اس تعلیم کو امت کے سامنے رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کو نہ صرف پہنچاتے ہیں بلکہ ان کی تشریح وتوضیح اپنے عمل سے، اپنے فعل سے اور اپنے قول سے کرتے ہیں۔ تاکہ قوم کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل ایمان پر یہ احسان کیا کہ انہیں ایمان جیسی دولت اور قرآن جیسی نعمت سے نوازا وہیں یہ انعام بھی فرمایا کہ انہیں خود اپنی منزل کی راہ تلاش کرنے کی ذمہ داری نہ سونپی بلکہ اپنا رسول بھیج دیا جس نے منزل مقصد تک ان کی رہنمائی کی اور قرآن کے مقاصد کی وضاحت کا بار بھی ان کی ضعیف عقل پر نہ ڈالا بلکہ عالم انسانیت کے سب سے بڑے معلم کو ان کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معنی، مقاصد و مطالب سے آگاہ کریں اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ احادیث نبوی قرآن کی شرح اور وضاحت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ۔ (سورۃ۔۔۔۔:۔۔)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ قرآن جو آپ پر اتارا ہے یہ دین اور شریعت کا دستور اور آئین ہے۔ اس میں دین وشریعت کے احکام ہیں چونکہ ہر شخص ان احکام کو نہیں سمجھ سکتا ہے اس لئے ان کو سمجھانے کی ذمہ داری آپ ہی کو سونپی جارہی ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہو سلم کی ذات اقدس ان کے اقوال، اعمال اور افعال کے ساتھ تمام دنیا کے لئے مشعل راہ ہے یعنی قرآن اللہ کی کتاب ہے اور احادیث اس کی شرح ہے۔

قرآن وحدیث کی وضاحت کرنے میں ائمہ حدیث و فقہا کا کردار

(Role and contribution)

صاحب لولاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب ہیں یعنی آپؐ پر اللہ کی کتاب (قرآن) نازل ہوئی اور آپؐ سب سے زیادہ صاحب تقویٰ اور صاحب فراست تھے۔ اس لئے قرآن مجید کی تشریح و توضیح جو ہم تک احادیث کے ذریعے پہنچی ہے سند جواز رکھتی ہے کیونکہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کی وضاحت صاحب کتاب (جس پر کتاب نازل کی گئی) ہی کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

ائمہ حدیث کی ایک بڑی تعداد ہے جنہوں نے احادیث جمع کرکے دین کی خدمت کی ان میں سے چند حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار

ائمہ حدیث

سال پیدائش

امام ابو حنیفہؒ

۸۰ھ

امام مالکؒ

۹۲ھ

امام شافعیؒ

۱۵۰ھ

امام احمد بن حنبلؒ

۱٦۴ھ

امام دارمیؒ

۱۸۴ھ

امام بخاریؒ

۱۹۴ھ

امام ابو داوٗدؒ

۲۰۲ھ

امام مسلمؒ

۲۰۴ھ

امام ابن ماجہؒ

۲۰۹ھ

امام ترمذیؒ

۲۱۰ھ

امام نسائیؒ

۲۱۴ھ

امام دار قطنیؒ

۳۰۶ھ

امام احمد بن حسینؒ بیہقی

۳۸۴ھ

امام رزین بن معاویہؒ

۵۳۰ھ

امام جوزیؒ

۵۱۷ھ

امام نوویؒ

۶۲۱ھ

مذکورہ بالا ائمہ حضرات میں چار امام وہ ہیں جو ائمہ اربعہ یعنی چار اماموں کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے نبیؐ کی وفات کے بعد اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ان کے نے نام گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱) امام ابو حنیفہؒ:

آپ کا اصلی نام نُعمان ہے ابو حنیفہ کنیت ہے اور اسی نام سے آپ مشہور ہیں آپ کو امام اعظم بھی کہتے ہیں۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ عراق میں پیدا ہوئے۔ چوبیس(۲۴) سال کی عمر میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور وہاں بڑے بڑے محدثین سے حدیث کی سند حاصل کی ''آپ امت میں اس علم کے سب سے بڑے عالم ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول سے وارد ہوا ہے'' (یحیٰ بن قطانؒ) آپ کو اَعْلَمِ اہل زمانہ کہا گیا ہے یعنی آپ ہر دور کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے ہیں۔ آپ منطقی انداز (in logical way) میں مسائل حل کرتے تھے۔ اس طرح کے کئی واقعات ان سے منسوب ہیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ انہیں دہریوں (Athiests) سے مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کے لئے لوگ امام صاحب کا انتظار کررہے تھے لیکن امام صاحب نے حکمتاً وقت پر پہنچنے میں دیر کردی۔ جب دہریوں نے آپ سے دیر کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے دریا پار کرنا تھا دریا کے کنارے کوئی کشتی موجود نہ تھی پھر کچھ درخت ازخود کٹ گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اس طرح ایک کشتی تیار ہوئی اور بغیر ملاح کے دریا کے اس پار کنارے لگ گئی اور میں نے دریا پار کردیا۔ دہریوں نے کہا کہ آپ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ درخت خود بخود ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے اور ایک کشتی تیار ہوئی جس میں بیٹھ کر کسی ملاح یا کشتی بان کے بغیر آپ دریا کے اس پار پہنچ گئے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ جب درخت از خود جڑ کر کشتی نہ بنا سکے تو یہ اتنی بڑی کائنات از خود کیسے بن گئی۔ یہ کائنات کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح چل سکتی ہے جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے۔ یہ جواب سن کر دہریے لاجواب ہوئے اور بغیر کسی بحث و مباحثہ کے خالق کائنات و مخلوقات رب العالمین پر ایمان لائے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت امام صاحب سے اس بات پر بحث کرنے آئی کہ نماز کے دوران امام کے ساتھ مقتدیوں کو بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز ہے۔ امام صاحب نے لوگوں سے کہا کہ بیک وقت لوگوں کے ایک بڑے گروہ سے بات کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے تم لوگ اپنی طرف سے ایک نمائندہ چن لو جس سے آسانی سے بات کی جاسکے ۔ لوگوں نے اپنی طرف سے بات کرنے کے لئے ایک شخص کو چن لیا اور اسے بات کرنے کا اختیار دیا۔ امام صاحب نے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا آپ نے میرے ساتھ بات کرنے کے لئے جس شخص کو چن لیا ہے وہ آپ کی طرف سے میرے ساتھ بات کرسکتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں پھر پوچھا کہ جب وہ میرے ساتھ بات کرے تو کیا تم خاموش رہوگے اور ہماری بات دھیان سے سنو گے انہوں نے کہا جی ہاں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا یہی آپ کے سوال کا جواب ہے کہ جب امام نماز کے دوران بلند آواز میں قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کے لئے خاموش رہ کر دھیان سے قرآن سننا جائز اور بہتر ہے۔ لوگ امام صاحب کے اس دانشمندانہ فتویٰ سے مطمئن ہوگئے۔

آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور آپ بغداد میں مدفون ہیں۔

۲) امام مالکؒ:

آپ ۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سترہ (۱۷) برس کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع کردیا تھا۔ امام موصوف سے ایک واقعہ منسوب ہے کہ مدینہ کی ایک نیک اور معزز عورت کا انتقال ہوا میت کے غسل کے دوران غسالہ (غسل دینے والی عورت) نے عورت پر زنا کی تہمت لگادی۔ جونہی اس نے تہمت لگادی تو فوراً اس کے ہاتھ میت کے جسم پر چپک گئے اس نے ہاتھ ہٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ میت کے جسم سے ہاتھ نہ ہٹاسکی۔ اس عجیب واقعہ پر لوگوں نے علماءِ وقت سے رجوع کیا تاکہ غسالہ کے ہاتھ میت کے جسم سے ہٹائے جائیں لیکن کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ آخر جب معاملہ امام مالک کے پاس پہنچا تو انہوں نے فوراً فتویٰ دیا کہ غسالہ پر تہمت کا حد لگا دیا جائے کیونکہ اس نے ایک پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ چنانچہ جب حد تہمت

کے طور غسالہ کو اسی (۸۰) کوڑے مارے گئے تو اس کے ہاتھ علاحدہ ہوئے۔ لوگ امام صاحب کے علم فقہ کے قائل ہوگئے۔ حدیث میں آپ کی کتاب موطا امام مالک سے مشہور ہے۔ آپ نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

۳۔ امام شافعیؒ:

امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کا اصلی نام محمد اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ شافعی ان کے جد اعلیٰ تھے اور اسی نام پر امام شافعی سے مشہور ہوئے۔ سات سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن حفظ کرلیا اور دس برس کی عمر میں مؤطا امام مالک کو یاد کرلیا۔ فقہ کی تعلیم آپ نے اپنے زمانے کے مفتی مسلم بن خالد سے حاصل کی۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ ابتدائی عمر میں مجھے شعر و شاعری کا بہت شوق تھا اور میرے ذہن میں کچھ اشعار بھی محفوظ ہوگئے تھے۔ ایک دن میں کعبہ کے سایہ میں تنہا بیٹھا تھا کہ اچانک ایک آواز آئی۔ اے محمد! اس چیز کو اختیار کرو جو سچی اور مستحکم ہے، شعر و شاعری چھوڑ دو۔ میں اسی وقت سے شعر وشاعری سے بے رغبت ہوگیا اور سمجھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی بڑا کام لینے والا ہے۔

آپ امام مالکؒ سے بہت عرصہ تک علم حاصل کرتے رہے اور جب آپ نے ان کی ذہانت (Talent) دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو اللہ تمہیں امت محمدیہ میں بڑی فضیلت عطا فرمائے گا۔

امام مالکؒ سے رخصت ہوکر آپ مکہ آئے اور مکہ سے بغداد تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مصر گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد ا(امام محمدؒ) فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے مجھ سے امام اعظم کی کتاب ''اوسط'' عاریتاً لی اور پوری کتاب ایک دن اور ایک رات میں یاد کرکے کتاب واپس کردی۔ آپ نے ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ:

آپ کا پورا نام احمد بن محمد ہے۔ حنبل آپ کے دادا کا نام تھا اور وہ احمد بن حنبلؒ کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ آپ ۱٦۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے حدیث وفقہ کے پیشوا مانے جاتے تھے۔ بے حد عابد، زاہد، متقی اور پرہیزگار تھے۔ امام شافعی آپ کے استاد تھے۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے بغداد میں پرہیزگاری، تقویٰ اور علم میں احمد بن حنبل سے زیادہ کسی

دوسرے کو نہیں پایا۔ آپ عیش و عشرت کی زندگی پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ۲۴۱ھ میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی تصنیفات میں مشہور کتاب مسند احمد ہے جو حدیث نبویؐ کی ایک اہم تصنیف مانی جاتی ہے۔

ائمہ اربعہ (چار اماموں) کے چار الگ الگ مسلک ہیں۔ مسلک کے مختلف معنی ہیں۔ جیسے راستہ، دستور، آئین، قاعدہ و قانون، عقیدہ، طور طریقہ، نظریہ، مذہب اور مکتب فکر وغیرہ۔ زندگی آسان بنانے کے کے لئے لوگوں نے علم اصطلاح کے مطابق طرح طرح کے دنیائی مسلک اختیار کئے ہیں جیسے

۱) مسلک شاعری: اس مسلک میں شاعری کے اصول اور قاعدے بتائے گئے ہیں اور لوگ شعر و شاعری سے کسی تحریک یا جماعت کی خدمت کر سکتے ہیں۔

۲) مسلک عشق: اس مسلک میں عشق و محبت کا طریقہ اور اس کا دستور بیان کیا گیا ہے اس مسلک کے لوگوں کے نزدیک عشق و محبت ہی عبادت ہے۔

۳) مسلک تصّوف: یہ مسلم صوفیوں کا طریقہ اور عقیدہ ہے جس کے وسیلے سے قلب کی صفائی، تزکیہ نفس، علم و معرفت وغیرہ حاصل ہوجاتی ہے۔ اس عقیدہ کے لوگوں کے نزدیک وسیلے کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی ہے۔

۴) مسلک قبح: اس مسلک میں برائی، خرابی، عیب اور بدصورتی کو فنی قدر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی ہے بلکہ برا اچھا سمجھنے سے ہی کوئی چیز اچھی یا بری ہوتی ہے۔ (Nothing is good or bad but thinking makes it so.) ایسے خیالات گنہگار ور خدا بے زار لوگوں کے ہوتے ہیں۔

۵) مسلک یوگ: اس مسلک کے لوگ یوگ کے طریقے میں مراقبہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اس طرح کی عبادت میں دل کو نامناسب طریقوں سے روکا جاتا ہے۔ قلب کی یکسوئی کے ساتھ روحانی بلندی حاصل کرنے کے لئے مراقبہ یعنی سختی سے عمل کرنا ان کا مسلک ہے۔ اس مسلک کے لوگوں کا خیال ہے کہ خدا کی عبادت کرنے کے لئے جسم کو جتنا عذاب دیا جائے اتنے ہی زیادہ ثواب مل جاتے ہیں۔

٦) مسلک توکل: اس مسلک کے لوگ توکل کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور تدبیر پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں چاہیے دینی ہو یا دنیاوی خدا پر توکل کیا جائے اور جدوجہد سے گریز کیا جائے۔ خدا پر توکل کر کے بلا محنت بھی اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

۷) مسلک حیات: حیات کا معنی زندگی ہے اس مسلک کو ماننے والے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انسانوں کے لئے دنیائی زندگی ہی حتمی ہے اور مرنے کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ انسان اس دنیا میں کھانے پینے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے لئے آیا ہے۔ اس لئے اسے کسی عبادت کی مشقت سے اپنے آپ کو تکلیف نہ دینی چاہیے۔ اس قسم کے خیالات رکھنے والے عام طور پر خدا بے زار اور لادین ہوتے ہیں۔

۸) بد مسلک: جن لوگوں کا راستہ غلط ہو اور گمراہ ہوں ان کے اس طرز زندگی کو بد مسلک کہتے ہیں اگرچہ اس طرح کے لوگ کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔

۹) صحیح المسلک: صحیح طریقے پر کام کرنے اور ٹھیک راستے پر چلنے والوں کے مسلک کو صحیح المسلک کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح کام کرنا اور بُرے کاموں سے بچنا ہی صحیح مذہب ہے چاہیے کوئی کسی بھی مذہب یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ (بحوالہ علم اصطلاحات۔ Science of terminology)

ان اصطلاحی مسلکوں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ائمہ اربعہ کے چار مسلک بھی اصطلاحی مسلک ہیں۔ ائمہ اربعہ در حقیقت دین اسلام کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں سمجھانے کے لئے میدان میں آگئے تاکہ اللہ کی کتاب قرآن مجید کے احکام و ہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور آپؐ کے طریقہ پر عمل کرکے دین کو صحیح معنوں میں اپنایا جائے۔ لہٰذا ائمہ اربعہ کے مسلکوں کو فرقوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان چاروں مسلکوں کا ایک ہی ماخذ (Source) قرآن وحدیث ہے۔ البتہ ان میں سے کوئی نماز میں رفع الدین اور آمین بالجہر کا قائل ہے اور کوئی ان کو نماز میں ضروری نہیں سمجھتا ہے۔ کوئی آٹھ رکعت کی تراویح کی دلیل دیتا ہے اور کوئی بیس رکعت کی۔ اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن میں ایمہ اربعہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں لیکن ان کے اختلاف دین میں فرقہ واریت نہیں بلکہ دین کی خدمت ہے ان کا کام کارِ ملا فساد فی سبیل اللہ کا محاورہ نہیں بلکہ کارِ علما جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت ہے۔ یعنی ان کا کام دین کو فرقوں میں بانٹ کر فساد ڈالنا نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دین کو سمجھانا ہے۔ اب اگر کوئی ایمہ اربعہ کی بے لوث علمی خدمت کو ان کے اختلاف رائے کا موضوع بنا کر اپنا علاحدہ فرقہ بنائے اور اس فرقے کے نام پر علاحدہ مسجد بنائے تو یہ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ قرآن کی اس آیت کے عین مطابق فرقہ بندی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْ۔ اللہ کی رسی (یعنی دین اسلام کو) مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ نہ بناؤ۔

حنفی، شافعی، بریلوی، قادیانی، شیعہ اور اہل حدیث وغیرہ کے نام پر اگر الگ مسجدیں بنانا جائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی کے خلاف ہوتے ہوئے کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی موجودگی میں نماز نہ پڑھتے۔ آپؐ نے مصائب اٹھائے اور مشرکین کے ہاتھوں بے حد مشکلات کا سامنا کیا لیکن بیت اللہ کی موجودگی میں کوئی الگ مسجد تعمیر نہ کروائی یہاں تک کہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں پہنچ کر مسجد بنوائی۔ جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ فرقہ کے نام پر مسجد بنانا خدا کی عبادت نہیں بلکہ خدا کی راہ میں ایک فتنہ ہے۔ مسجد ضرارہ اس کی مثال ہے۔ منافق فرقے کی اس مسجد کو نبی اکرمؐ نے آگ لگانے کا حکم فرمادیا۔ کیونکہ یہ مسجد فرقہ واریت کی نشانی اور فتنوں کا سرچشمہ تھی۔ آپؐ نے منافقوں کی اس مسجد کا نام و نشان مٹا دیا تاکہ مسلمانوں میں فرقہ واریت کا فتنہ سر نہ اٹھائے۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ نبیؐ کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد احادیث جمع کئے گئے اور انہیں کتابی صورت میں پیش کیا گیا تاکہ قرآن سمجھنے اور سمجھانے میں مدد مل جائے۔ چونکہ نبیؐ نے اپنی حیاتی کے دوران احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؐ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث رسولؐ لکھوانے سے قرآن اور حدیث خلط ملط نہ ہوجائیں۔ نبیؐ کی وفات کے بعد لوگوں نے جب کلام نبی کی ضرورت شدت سے محسوس کی تو محبانِ رسولؐ نے دور دراز علاقوں میں جاکر بڑی محنت و مشقت سے احادیث مبارک یعنی نبیؐ کا کلام جمع کیا چونکہ صحابہؓ نبیؐ سے حدیث سن کر زبانی یاد کرتے تھے اور جن لوگوں نے حدیثیں جمع کرنے کا کام کیا انہوں نے صحابہؓ کے علاوہ ان لوگوں سے رابطہ کیا جنہوں نے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں اور یاد کی تھیں۔ چونکہ اکثر صحابہؓ انتقال کرچکے تھے۔ اس لئے تابعین اور تبع تابعین کو ترجیع دے کر احادیث جمع کی گئیں اور مکمل چھان بین کرکے اور صحیح سند کے ساتھ تحریر کرکے انہیں کتابی شکل دے دی گئی۔

تمام سیرت نگاروں، علمائے حدیث وقرآن اور جمہور علمائے اسلام کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبارؓ کی اولین ترجیح حفاظت قرآن کی طرف تھی۔ چونکہ نبیؐ حافظ قرآن تھے اور آپؐ کو قرآن یاد کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ قرآن کی ان

آیات سے ثابت ہے:

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖo اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْآنَہٗo فَاِذَا قَرَاْنَاہُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہٗo ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗo (القیامہ: ۱۶ تا ۱۹)

ترجمہ: ''اے نبی اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو اس کو یاد کرادینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

لیکن صحابہؓ نزول قرآن کے دوران ہی اسے حفظ کرتے تھے اور نبیؐ کی وفات کے وقت ان کے سینوں اور سفینوں میں قرآن محفوظ ہوچکا تھا۔ اسے صرف مصحف کی شکل دینے کا کام باقی تھا جسے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں انجام دیا گیا اور پھر ایک طویل مدت تک قرآن کی تشریح و توضیح کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کیونکہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور تک قرآن سمجھنے میں کسی کو دقعت پیش نہ آتی تھی۔ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور اس کی تشریح کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ پھر تقریباً ایک صدی کے عرصہ کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ قرآن سمجھنے میں عام لوگوں کو بہت مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اس لئے فرمودات رسولؐ کی طرف رجوع کیا گیا اور کچھ ذی شعور افراد نے حدیث پاک جمع کرنے کا کام شروع کیا اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اس کام میں کھپادی اور اقوال رسولؐ کو جمع کرکے انہیں کتابی شکل دے دی جو عام لوگوں کے لئے قرآن سمجھنے کے لئے مفید ثابت ہوئیں۔ ان ضخیم کتابوں میں صحاح ستہ مستند مانی جاتی ہیں۔ صحاح ستہ حدیث کی چھ کتابیں ہیں جن کی حدیثیں درست سمجھی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ابن ماجہ، (۲) ابو داوٴد، (۳) بخاری، (۴) ترمذی، (۵) مسلم، (۶) نسائی

حدیثوں کا یہ بڑا سرمایہ دستیاب ہونے کے باوجود اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ احادیث نبوی عرصہ دراز کے بعد مرتب کی گئیں اور عہد نبوی میں نبیؐ نے خود اپنے اقوال کو قرآن سے گڈمڈ ہونے کے خدشہ کے پیش نظر لکھوانے سے منع فرمادیا تھا تاکہ اسلام کے دشمنوں کو نزول قرآن کے متعلق بہانہ بازی کا موقعہ نہ مل سکے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ کا خود ساختہ کلام ہے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خلفائے راشدین حدیثوں کی تحقیق پر زور دیتے تھے اور حدیثوں کی نسبت قرآن سے تعلق استوار کرنے پر زور دیتے تھے۔ حافظ ذہبی 'تذکرۃ الحفاظ' میں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حدیث قبول کرنے میں وہ سب سے زیادہ محتاط تھے لیکن ایک بار جب ایک متوفی کی دادی ان کے پاس متوفی کی وراثت سے حصّہ مانگنے آئی تو انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ میں اس کا کوئی حصّہ مقرر نہیں ہے پھر انہوں نے لوگوں سے اس مسئلے کے بارے میں حدیث دریافت کی تو مغیرہؓ نے کہا کہ آپؐ نے اسے ثُلث یعنی تیسرے حصے کا حقدار بنایا ہے اور جب محمد بن مسلمؓ نے بھی اس کی شہادت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے نافذ کردیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ کیا آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اس طرح روایت کرتے تھے جس طرح اب کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں حضرت عمرؓ کے عہد میں ایسا کرتا تو وہ ڈنڈے سے میری خبر لیتے۔ (بحوالہ جامع احکام البیان)

احکام البیان کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ قرآن کے مقابلے میں احادیث کی کثرت روایات کو روک لیتے تھے اور حدیث کی کثرت روایات کی بنا پر آپ نے کئی صحابہ کو قید کر لیا تھا اور یہ بات بھی مشہور ہے کہ آپ نے صحابہ کبار میں سے تین اصحاب حضرت ابن مسعودؓ، ابوالدرداؓ اور ابو ذر غفاریؓ کو کثیر روایات کی بنا پر قید کیا تھا لیکن اس کے باوجود حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کچھ ایسی حدیثوں کو تسلیم کیا جن سے کئی معاملات اور مسائل حل کرنے میں مدد ملی۔ البتہ حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہونا لازمی تھا۔ لیکن کئی موقعوں پر جہاں ایک سے زیادہ راوی موجود نہ تھے وہاں صرف ایک ہی راوی کی روایت پر فیصلہ لیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ شام کے سفر پر جارہے تھے کہ راستے میں انہیں خبر ملی کی شام میں وبا پھیل چکی ہے تو وہ متفکر ہوئے کہ سفر جاری رکھا جائے یا واپس کوچ کر لیا جائے۔ اس موقعہ پر عبدالرحمان بن عوفؓ جو آپ کے ہمسفر تھے، نے بتایا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ تم اس جگہ مت جاؤ جہاں وبا پھیل چکی ہو لیکن اگر تم اس جگہ پر مقیم ہو جہاں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش بھی مت کرو۔ انہوں نے اس حدیث پر عمل کیا۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجوسی (آتش پرست) لوگوں کے متعلق حکم معلوم کیا تو عبدالرحمان بن عوف نے جب کہا کہ میں نے نبیؐ سے سنا ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا سلوک کرو تو حضرت عمرؓ نے یہ حدیث تسلیم کرلی۔

ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مجنونہ زانیہ پر حد جاری کرنے کا حکم دیا لیکن جب نبی اکرمؐ کا یہ فرمان معلوم ہوا کہ مجنون پر حد نہیں لگائی جاتی ہے تو مذکورہ عورت کو رجم کرنے سے منع کردیا۔

ابی سعید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور دروازے کے باہر انہیں تین بار سلام کہا لیکن جب آپ نے جواب نہیں دیا تو وہ واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ ابو موسیٰؓ دروازے سے واپس چلے گئے تو انہوں نے اسے بلوایا اور واپس لوٹنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا ہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے جب کوئی دروازے پر آکر تین بار سلام کہے اور اس کا جواب نہ ملے تو پھر واپس لوٹ جانا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے گواہ مانگے تو پھر جب کئی صحابیوں نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوکر گواہی دی تب انہیں چھوڑ دیا گیا۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار کے خاتمے کے بعد ہی قرآن کی وضاحت کے لئے احادیث نبوی کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس سلسلے میں نبیؐ کے اقوال اور اعمال جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ بہت ساری علمی شخصیتوں نے اس مہم میں حصہ لیا اور احادیث پاک کو جمع کرکے انہیں کتابی صورت میں پیش کیا جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی کے کلام کا ایک ہی مرتبہ اور مقام نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبیؐ نے نزول قرآن کے دوران اپنا کلام لکھوانے سے منع فرمادیا تھا۔ پھر جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا اور اسے ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کیا گیا تب کئی سالوں کے بعد نبیؐ کی حدیثیں جمع کرکے مرتب کی گئیں۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں (اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں) کوئی شک نہیں جبکہ حدیثوں کی اس طرح کی کوئی سند نہ اللہ کی طرف سے ہے اور نہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث کی کتابیں راویوں کی روایات پر منحصر ہیں اور ان کی روایت ضعیف بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے حدیث صحیح ہونے یا نہ ہونے پر شک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کی کتاب کو راویوں کی روایات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے راووی خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر یہ کتاب نازل ہوئی۔ جنہوں نے نہ صرف اسے لوگوں تک مِن و عَن پہنچایا بلکہ اسے کاتبوں کے ذریعے مرتب بھی کروایا۔ اس کتاب پر وہی شک کرسکتا ہے جسے نبیؐ کی نبوت پر شک ہو۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنی کتاب (قرآن مجید) کو شک سے پاک قرار دیا ہے۔ ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ۔ ''یہ (اللہ کی) کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔''

علامہ ذہبیؒ نے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کچھ حدیثوں کو ناقابل اعتبار سمجھ کر جلادیا تھا اور امام بخاریؒ نے خود فرمایا ہے کہ ایک شخص کو میں نے قابل اعتراض پایا تو دس ہزار حدیثیں جو میں نے اس سے لی تھیں انہیں شک کی بنیاد پر چھوڑ دیا۔ (فتح الباری)

حضرت عمرؓ کے متعلق بھی اسی طرح کی کئی روائتیں نقل کی گئی ہیں کہ وہ ان حدیثوں کو مسترد کرتے

تھے جن کے متعلق انہیں شک ہوتا تھا کہ یہ خود ساختہ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ انہوں نے کئی لوگوں کو اس طرح کی حدیثیں بیان کرنے پر قید کرلیا تھا۔

حدیثوں کو مسترد اور ضائع کرنے کے بارے میں اہل حدیث کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح منسوخ شدہ آیتوں کے باوجود قرآن پر شک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مسترد کی گئی حدیثوں کے بعد باقی حدیثوں پر شک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اہل قرآن اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن کی جو آیتیں منسوخ ہوئیں اول تو ان کو اسی ذات کریم نے منسوخ فرمایا جس نے ان کو نازل فرمایا دوسرا یہ کہ منسوخ شدہ ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے وقتی حالات کے پیش نظر نازل فرمایا لیکن بعد میں جب حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورت نہ رہی تو ان کو منسوخ کیا گیا۔ لیکن قرآن مجید سے خارج (delete) نہیں کیا گیا بلکہ قرآن میں بالکل اسی طرح موجود ہیں جس طرح یہ نازل ہوئی تھیں لیکن حدیثوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جن حدیثوں کو ضعیف یا خود ساختہ سمجھ کر ضائع کیا گیا وہ جمع کردہ حدیثوں میں موجود نہیں ہیں۔ انہیں ہزاروں کی تعداد میں کتابوں سے خارج کردیا گیا۔ قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان قرآن نازل کرنے والے نے خود فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○

جب کہ احادیث کی حفاظت کی ایسی ذمہ داری کسی نے نہیں لی ہے۔ بلکہ رسول اللہؐ نے کئی موقعوں پر اپنے ذاتی مشوروں اور تجاویز کو اللہ کے کلام کی طرح سمجھنے کی غلط فہمی کی وضاحت فرمادی ہے۔

ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے رہے تھے راستے میں انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ درختوں کی پیوندکاری کررہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو حکم سمجھ کر پیوندکاری کا کام روک دیا۔ لیکن درختوں میں پیوند نہ لگانے کی وجہ سے میوہ جات کا نقصان ہوا۔ لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے مشورہ دیا تھا نہ کہ وحی کی بنیاد پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ کی ہر بات قرآن کی طرح نہیں ہوتی ہے۔ آپ کی کچھ باتیں بشر کی حیثیت سے ہیں لیکن وہ خیرالبشر تھے اور دین کے بارے میں آپؐ کی ہر بات خدا کی بات ہے۔ اس لئے قرآن کے علاوہ دین کے بارے میں آپ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اس پر شک کرنے کی گنجائش نہیں بشرطیکہ روایت صحیح ہو۔ اس حقیقت کے پس منظر میں احادیث کا یکسر مسترد کرنا کفر کے مترادف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرمادیا ہے۔ اَطِیْعُوا اللہ وَاَطِیْعُو اَسُوْلُ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یعنی اللہ کے رسول کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت اور اس کی بندگی کرو۔ عام طور پر جمعہ کے خطبہ میں اکثر یہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ اِنَّ خَیْرُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بے شک بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ اللہ کے رسول کا راستہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کی رہنمائی کے بغیر اللہ کی کتاب (قرآن مجید) سمجھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اللہ ہر مخلوق کا خالق، پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ۔ اس نے مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں لیکن اس نے اپنے بندوں کو بندگی کرنے کا طریقہ خود نہ سکھایا بلکہ اپنے رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی امت کو اللہ کی عبادت کرنے کا طریقہ سکھایا اور رسولوں کی اس زنجیر کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے اپنی امت تک اللہ کا پیغام قرآن مجید کی صورت میں پہنچایا اور انہیں اس کی عبادت کا طریقہ سکھایا۔ اس لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کے بغیر اللہ کی عبادت کرنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔

الغرض اللہ کی بندگی اور اس کی عبادت کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کی جائے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کا راستہ (طریقہ) موجود ہونے کے باوجود اپنا ایک الگ فرقہ بنائے اور اس فرقہ کے نام پر الگ مسجد بنوائے اور پھر اللہ اور رسول کے طریقے پر چلنے کا دعویٰ کرے۔ اللہ نے اس کی اجازت نہیں فرمائی ہے بلکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا۔

جو لوگ اللہ کے اس فرمان کو نظرانداز کرکے فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی مخالفت کرکے فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں قیامت کے دن انہیں اس آیت کی نافرمانی کی پاداش میں اللہ کے دربار میں شرمسار ہونا پڑے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب سید علی ہمدانیؒ اسلام کا پیغام لے کر کشمیر آئے تو انہیں جب معلوم ہوا کہ ان کی آمد سے پہلے عبدالرحمان المعروف بلبل شاہ نے یہاں اسلام کی داغ بیل ڈالی ہے اور کئی لوگ مسلمان ہوچکے ہیں اور یہ حنفی مسلک کے مطابق بغیر رفیع ایدین اور آمین بالجہر نماز پڑھتے ہیں۔تو شافعی مسلک سے ان کا تعلق ہونے کے باوجود انہوں نے لوگوں کو نماز کے دوران رفع الدین اور آمین بالجہر کی تلقین نہ کی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے لوگ یہ سمجھ کر دین سے انحراف کرلیتے کہ پچاس سال پہلے نماز پڑھنے کا ایک طریقہ تھا اور آج دوسرا طریقہ ہے۔ اس طرح اسلام کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوجاتی اور اس بدگمانی کے احتمال کے پیش نظر سید علی ہمدانیؒ مسلک کی بحث چھیڑے بغیر اسلام کی دعوت دینے میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مشغول رہے۔یہاں تک کہ کشمیر میں لوگ جوق درجوق اسلام میں شامل ہوگئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دور حاضر میں مسلمان مسلکی رسہ کشی کے شکار ہوچکے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا پر تحقیر وتنقید پر بنی مذہبی بحث و مباحثوں اور مجادلوں میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ فرقہ واریت کے اس مقابلہ آرائی میں ہر کوئی ہم کسی سے کم نہیں کے مصداق اپنی بات کو منوانا چاہتا ہے۔ انسانیت اور شریعت

کے حدود پار کر کے ایک دوسرے کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر غیر مسلم ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان بحث و مباحثوں میں حصہ لینے والوں کو اگر خدا کا خوف ہوتا تو وہ اس طرح کی کشمکش میں بتلا نہ ہوجاتے بلکہ اتحاد ملت کی تلقین کر کے خدمت دین کو ترجیح دیتے۔

دعا گو

محمد عبدالغفار

باغ مہتاب سرینگر کشمیر